تائید الاسلام
www.kitaboSunnat.com
تالیف
علامہ قاضی محمد سلیمان منصورپوری
دارالعلم ممبئی

تائید الاسلام

(مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد باطلہ کا ناقدانہ جائزہ)

تالیف

علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری

دار العلم ممبئی

سلسلہ مطبوعات دار العلم نمبر ۱۹

نام کتاب	:	تائید الاسلام
تالیف	:	علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
صفحات	:	193
ناشر	:	دار العلم، ممبئی
طابع	:	اکرم مختار
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	:	نومبر ۲۰۰۶ء
مطبع	:	بھادے پرائیویٹ لمیٹیڈ

242, J.B.B. Marg, (Belasis Road), Nagpada, Mumbai-8 (INDIA)
Tel.: (+91-22) 2308 8989, 2308 2231 fax (+91-22) 2302 0482
E-mail: ilmpublication@yahoo.co.in

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۱۸۶۷ء - ۱۹۳۰ء) کو ان کی معروف کتاب سیرت ''رحمۃ للعالمین'' کی وجہ سے شہرت دوام حاصل ہے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ اپنے عصر کے ان تمام باطل فرقوں اور تحریکوں پر بھی گہری نظر رکھتے تھے جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف تھیں۔ ردعیسائیت اور رد قادیانیت میں آپ نے جو تحریریں چھوڑی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمۃ للعالمین کے عظیم مصنف رحمت عالم ﷺ کے دین کے خلاف سرگرم عمل لوگوں کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید میں زیر مطالعہ کتاب بتاتی ہے کہ آں رحمہ اللہ نے اس کے تمام عقائد محدثہ، خیالات باطلہ اور افکار ضالہ کو اس کی کتابوں سے بہت پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ زیر مطالعہ کتاب ''تائید الاسلام'' ۱۸۹۸ء میں منصۂ شہود پر آئی تھی۔ اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوی مسیح موعود اور مہدی کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ ابتدائے کتاب میں ان تیس قرآنی آیات کی صحیح تفسیر پیش کی گئی ہے جن سے استدلال کرتے ہوئے مرزا نے حضرت عیسی علیہ السلام کو وفات یافتہ ثابت کیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ اب وہ دنیا میں دوبارہ نہیں آئیں گے۔

قاضی صاحب نے اپنی اس کتاب میں سنجیدگی اور متانت کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ ان کے دلائل کتاب وسنت سے مدلل اور ٹھوس ہیں، طرز استدلال منطقی اور دلوں کو اپیل کرنے والا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک ایک عبارت کو نوٹ کرکے اس کا جواب دیتے ہیں اور اس کی غلطیوں، گمراہیوں اور استدلال کی

کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مرزا نے جو دعوے کیے تھے اور جس طرح اس نے مغالطہ دینے کی کوشش کی تھی، قاضی صاحب نے اس کے ایک ایک دعوی کو بکھیر کر رکھ دیا ہے اور اس کی مغالطہ آمیزی کو آشکارا کیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس فکر اور عقیدہ کا آدمی کس طرح اپنا حلقہ اثر بڑھانے میں کامیاب ہو گیا۔

آج جب کہ قادیانیت از سرنو زندہ ہو رہی ہے، دور دراز مسلم علاقوں میں اس کے داعی ناخواندہ اور اپنے دین سے غافل مسلمانوں کو قادیانی بنانے میں مصروف ہیں اور مادی لالچ کے ذریعے ان کے ایمان وعقیدہ کا سودا کر رہے ہیں، ضرورت ہے کہ اپنے اسلاف کی ان تحریروں کو دوبارہ شائع کیا جائے، جن کی وجہ سے ہزاروں خلق خدا کو صحیح راستہ ملا تھا اور سیکڑوں افراد قادیانیت سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

موجودہ طباعت کی بنیاد کتاب کا وہ دوسرا ایڈیشن ہے، جو کریمی پریس لاہور سے باہتمام میر قدرت اللہ ۱۳۴۴ھ میں شائع ہوا تھا۔ ادارہ مولانا رفیق احمد رئیس سلفی کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے نہ صرف اس کتاب کی طباعت کا مشورہ دیا بلکہ اپنی نگرانی میں کمپوزنگ کرائی اور پروف کی تصحیح کر کے کتاب کو طباعت کے قابل بنایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مصنف رحمہ اللہ کو اجر جزیل عطا فرمائے اور طبع جدید کے جملہ معاونین اور اس کے ناشر کو خدمت علم ودین کی مزید توفیق بخشے آمین۔ یارب العالمین۔

اکرم مختار
دار العلم، ممبئی
۸/جون ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الم۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ۝ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۝

ترجمہ! خدا ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی، زندہ دنیا کی تدبیر فرماتا ہے۔ اُسی نے تجھ پر راستی اور حق کے ساتھ کتاب اتاری جو اپنے سے پہلی کی تصدیق کرتی ہے (اُسی نے) قبل ازیں لوگوں کی ہدایت کے لیے توریت وانجیل اتاری اور معجزہ نازل کیا۔ بیشک جو خدا کی نشانیوں کے منکر بنے اُن کے لیے سخت عذاب ہے۔ اور خداوند غالب بدلہ لینے والا ہے بیشک خدا سے نہ زمین میں نہ آسمان میں کوئی چیز چھپی نہیں، وہی ہے جو رحم کے اندر جیسے چاہتا ہے صورتیں بناتا ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ) غالب حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی، جس کی بعض آیتیں تو جو کتاب کی اصل ہیں، واضح ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ جن کے دل میں کجی ہے۔ وہ شبہ والی کی پیروی کرتے ہیں گمراہی کے لیے۔ اور تاویل

وحقیقت چاہنے کے واسطے۔ (حالانکہ) اس کی حقیقت کوئی نہیں جانتا مگر خدا۔ اور جو علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں ہمارا اس متشابہ پر ایمان ہے۔ یہ سب کچھ پروردگار کی جانب سے ہے۔(ہاں نصیحت نہیں پاتے مگر دانشمند۔ (وہ عرض کیا کرتے ہیں کہ) اے پروردگار ہدایت دکھلانے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ ڈال اور ہم کو اپنے ہاں کی رحمت سے (حصہ) دے۔ (کیونکہ) تو ہی عطا کنندہ ہے۔ اے خدا تو لوگوں کو اُس دن اکٹھا کرنے والا ہے جس میں کچھ شک نہیں۔ بیشک خدا کے وعدہ میں خلاف نہیں۔

خدائے عز وجل کے لیے ہے شکر نعم
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (فاتحہ)

زیادہ حد وعدو سے ہیں جس کے فضل وکرم
وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراھیم)

وہی مالک ہے وہی مستعان وہی معبود
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

وہی ہمارے لیے ہادی رہ اقوم
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

وہی گناہ کو بخشے وہی نے توبہ
غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ (مومن)

مجید وصاحب عرش عظیم ولوح وقلم
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ (بروج)

وہی ہے رافع عزوعلا و مجد و عطا
تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ (آل عمران)

وہی ہے دافع درد وبلا و رنج وسقم
اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (نمل)

جلال اُس کا ہی آفاق کے لیے ہے محیط
فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقر)

نوال اسی کا ہی ارزاق کے لیے مقسم
اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (ذاریات)

کمالِ عقل بشر اس جناب میں مجہول
زبان نطق ہے خود اس کے وصف میں ابکم

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ (کہف)

نمونہ قدرت باری کا ہے کہ صفحہ چرخ
ہجوم نجوم سے ہوتا ہے دئیبہ معلم

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ (الصّٰفّٰت)

ہے شان صنعت صانع کہ ارض کا یہ کرہ
فور سبزہ سے بنتاہے صفحہ ملحم

فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً (حج)

اُسی کے حکم سے قائم جبال شامخہ ہیں
اُسی لے امر سے سائر ہے نیر اعظم

وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ (المرسلات)

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (یٰسین)

اُسی کی غائت حمد وثنا ہے لا احصی
اُسی کے لول ادراک پر ہے لا علم

لا احصی ثناء علیك (حدیث)

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا (بقر)

اُسی کے رحم کی امید تھی کہ طبع بشر
ہوئی ہے بعد صدور خطا ندیم ندم

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف)

اُسی کے فضل نے تھی جو عذاب کی صورت
بنائی مشغلہ زیست محنت آدم

فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (جمعہ)

اُسی کی داد سے مہ کو ملا ہے سکۂ سیم
اُسی کے جود سے ماہی کو کیسۂ درہم

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا (نوح)

اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ)

اُسی کے شوق میں پوئندہ ہیں الوف ملل
اسی کی مدح میں گوئندہ ہیں صنوف امم

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ (نحل)

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (جمعہ)

اُسی جناب میں ہوتی ہے عرض رَبِّ اغْفِرْ
اُسی سے کہتے ہیں وارحم کہ سب سے ہے ارحم

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ (مومنون)

اُسی کے فیض سے باغ حدوث ہے شاداب — اُسی کے نام سے قلب سلیم ہے خرم

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ (نحل) — اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد)

اُسی کا نور ہے عالم میں سائر وساری — اُسی کا حکم جز وکل پہ ثابت ومبرم

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نور) — لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (رعد)

اُسی نے فرش زمیں کو بچھا دیا ہموار — اُسی نے سلک ثریا کو کردیا درہم

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ (ذاریات) — وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ (نحل)

اُسی کے خوض میں ہے تہ نشین دریا دُر — اسی کے شوق میں ہے آسمان گرا شبنم

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ خاک سیاہ — ہزاروں بیش بہا گنج کی رہے مدغم

هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (رعد)

ہزار نسل بشر مٹ گئی ہے ہوہوکر — رہے پر اس کے موالید تازہ و خرم

مَاكَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (نمل)

یہ دیکھ صنعت صانع کہ سخت ہے نہ رقیق — ولیک حسب ضرورت ہے نرم و مستحکم

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا (طٰہٰ)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے نزول میاہ — کہ اُس سے سبزہ ودانہ نکلتے ہیں پیہم

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبٰرَكًا فَاَنْبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ (ق)

اُسی کی آیت قدرت سے برق کی ہے چمک — بچشم خوف وطمع جس کو دیکھتے ہیں ہم

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا (روم)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ مردہ زمین — حیات تازہ سے بار دگر ہوئی منضم

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا (یٰسین)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ لیل ونہار ہمیں سکھاتے ہیں طرز وطریق رامش ورم

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (روم)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ بین بحار بنادیے ہیں جزیرے مثال باغ ارم

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا (النمل)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ انساں کی لسان ولون میں نوعیں جدا جدا ہیں علم

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (روم)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ گنبد چرخ مثال سقف بغیرِ عمد رہا ہے تھم

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (لقمان)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ ہوتا ہے یہ موسموں کا تغیر یہ انقلاب اُمم

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (مومنون)

اُسی کے حکم سے ٹھہرے ہوئے ہیں یہ ابحار کہ موج رکھتی نہیں بڑھ کے اپنی حد سے قدم

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ (الرحمٰن)

اُسی کے امر سے تھامے ہوئے ہیں سب طائر فضا میں جسم کو اپنے بلاتردد وغم

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ (ملک)

اُسی کے نور تجلّی سے طور ہے روشن اُسی کی بندہ نوازی سے نحل ہے ملہم

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ (اعراف) وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (نحل)

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا (قصص)

اُسی کی ذات مقدس کے سامنے سجدہ اُسی کے اسم معظم کے واسطے ہے قسم

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (یونس)

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ (حم السجدہ)

وہی ہے ایک خدا اور لاشریک لہ کہ ملک و حمد اُسی کو ہے اور کبرو قدم

وحدہ لاشریک لہ لہ الملك وله الحمد وهو حی لايموت

غنی ومقتدر ومالک وکریم ورحیم حلیم ومؤمن ومامن حدوث وقدم

سلام ومومن وقدوس وخالق وباری مہیمن وجبروتی خدیو عزوحکم

وَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (ممتحنہ)

احد ہے اور صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً تا احد ہے وصف اتم

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص)

یہ شرک ہے کہ کہے کوئی اُس کو رب النوع وہ ہے مصور اشیا وخالق عالم

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الممتحنہ) هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (الممتحنہ)

شریک خلق میں اُس کے نہ مادہ نہ روح مشیر امر میں اُس کے وزیر ہیں نہ خدم

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (ملک)

اُسی کے خلق ہیں اور اُس کو پا نہیں سکتے فواد سمع وبصر عقل درک لمس اور شم

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (انعام)

ولیک صدق طلب ہو تو پرّ پرّگیاہ ہے بام معرفت حق کے واسطے سلم

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (والذاریات)

مرے کریم، مرے چارہ ساز بندہ نواز کثیر ہیں تیرے انعام وفیض اور اعم

هُوَ الَّذِيْ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (ملک)

ہے ایک حکم میں تیرے حیات اور ممات ہے سب کا تیرے ہی دو حرف میں وجود عدم

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (ملک) اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰس)

نہیں وجود سے خلقت کے تیرے قدرت بیش نہ کچھ عدم سے ہے عالم کے تیری صنعت کم

ہو تیری عفو و رحیمی کا جس جگہ اظہار ہے مستحق کرامت گناہ اور ظلم

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام) اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ

خواص ہیں متاثر تیرے بہ خوف ورجا کہ ہے حجاب عدالت میں رحمت اور کرم

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (مریم)

فرشتگان مقرب کہ انبیائے کرام | بیان حمد میں سب کا ہے مہمل ؤ مبہم
نہ یہ مجاز کہ اک حرف بیش وکم بولیں | نہ ان کی تاب کہ حد سے بڑھائیں ایک قدم
(بقر) لاعلم لنا۔ ۳ لااحصی ۴

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم) | وَلَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (صافت)
تیری جناب میں سب کی ہے التماس دعا | تیری حضور میں سب کا سر ارادت خم
وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران)

نہ مال میرا مآل طلب نہ دولت وجاہ | کہ سب ہیں مشتمل اس فیض میں بنی آدم

وَفِى السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَاتُوْعَدُوْنَ (ذاریات)

یہ التجا ہے یہی آرزو یہی خواہش | مدام دل کی تمنا یہی بدیدۂ نم
رہوں سدا متمسک نبی کی سنت سے | قدم ہوں میرے صراط ہدیٰ پہ مستحکم
وَلَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ | ثبت اقدامی علی الصراط
تمسکوا بسنتی | المستقیم (حدیث)
رگوں میں جوش لہو میں محبتِ اسلام | بدن میں جان ہے یہ جب تک اور دم میں دم

لَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (بقرہ)

تیرے حبیب نے جو امیوں کو دی تعلیم | وہی ہو میرا عقیدہ نہ اُس سے بیش نہ کم
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ) | اُدْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَافَّةً (بقرہ)
رسول سید ابرار واحمد مختار | نبی جہاں کے لیے رحمت اور مطاع امم
وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء) | وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء)
سراج وشاہد وداعی مبشر ومنذر | رسول کافۂ ناس وبادشاہ حرم

إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا (الاحزاب)

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ (النساء)

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (البقرہ)

ہماری جان پہ ہم سے سوا رؤف ورحیم
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

حمید وحامد ومکرّم مکرّم واکرم
إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم)

عوام کا اب وجد سے ہے مایۂ نازش ہیں
اُس کی ذات سے نازاں خلیل اور آدم

انا سید ولد آدم (حدیث)

درود اُس پہ اور اصحاب وآل پر اُس کے
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ (احزاب)

بھرا ہے جن کے فضائل سے مصحف محکم
وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ (توبہ)

تو قبر کی متوحش جگہ میں ہو مونس
اللھم آنس وحشتی فی قبری

تو ہولناک قیامت میں بن مرا ہمدم
يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ (الدخان)

نہ فلسفہ میرا ایمان ہو نہ یہ طبعی
وَلَا تَتَّبِعُ السُّبُلَ (انعام)

جھکا ہوا ہے اُدھر آج گرچہ اک عالم
كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (مومنون)

نصیب احمدؔ[1] وسلمان باپ بیٹے کے
فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ إِلَيْهِمْ (ابراہیم)

نماز مسجد پاک نبی وطوف حرم
لا تشد وا الرحال الا الی ثلثة مساجد

تیری جناب میں سجدہ کہ اُس سے قرب بڑھے
وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق)

درود تیرے نبی پر کہ اُس سے ہوں مُکرم
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب)

☆ حاشیہ: ۱: یہ رسالہ یکم محرم الحرام ۱۳۱۲ ہجری کو ختم کیا چھپنے کے لیے مطبع میں بھیج دیا گیا تھا،

امابعد ناظرین والاتمکین کو واضح ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقاید محدثہ پر نیاز مند نے ایک مختصر رسالہ ''غایت المرام'' لکھا تھا۔ رب کریم کے محض افضال وکرم سے اس رسالہ کو قبولیت عام حاصل ہوئی اور اس دوسرے رسالہ کے لیے احباب واخوان نے نہایت شوق ظاہر کیا لہٰذا ادب کے ساتھ یہ رسالہ بھی پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری نیت سے خوب آ گاہ ہے۔ نہ مجھے مرزا صاحب سے کچھ مخاصمت، نہ عناد، نہ ذاتی کاوش، نہ رنج۔ صرف دین خالص اور اسلام پاک کی محبت (جس پر رب کریم میری حیات اور موت کرے) اور حفاظت ونصرت کے خیال نے مجھے مجبور کیا کہ اس بارہ میں جو فہم اور سمجھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دی ہے اپنے بھائیوں کے سامنے ظاہر کروں اور ان عقائد محدثہ میں جو جو غلطیاں اور مغالطے مرزا صاحب کی تحریر سے مجھے معلوم ہوئے ہیں، ناظرین کے سامنے بیان کردوں، انصاف مسلمان خود کرلیں گے اور اس ناچیز خدمت کا اجر وثواب میری نیّت میرے عمل کو اللہ تعالیٰ دیکھ کر خود عطا فرمائے گا۔

اس مختصر رسالہ میں مرزا صاحب کے ازالہ اوہام کے تمام ضروری مطالب کا جواب لکھ دیا گیا ہے۔وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

محمد سلیمان ولد قاضی احمد شاہ۔منصور پور۔علاقہ ریاست پٹیالہ

۵/ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

☆بقیہ حاشیہ: چند در چند وجوہ سے چھپنے میں دیر ہوئی قصیدہ کا یہ شعر اُس وقت ہی لکھا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کی دعا قبول فرمائی۔ اور اس کا ایک حصہ پورا بھی ہوگیا۔ یعنی ۱۳۱۲ہجری میں والد بزرگوار کو حج اور زیارت مدینہ منورہ کا شرف حاصل ہوا۔ بندہ ناچیز کو اپنے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہی امید ہے اور توقع ہے کہ جس طرح یہ دعا قبول فرمالی گئی ہے۔اسی طرح یہ ناچیز عمل (کتاب تائید الاسلام) بھی درگاہ ایزدی میں درجہ قبولیت پائے گا۔محمد سلیمان عفی عنہ۔مصنف رسالہ قاضی محمد سلیمان صاحب بھی ۱۳۳۹ھ میں حج وزیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔خاکسار ''ہدایت اللہ'')

دیباچہ طبع دوم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرورِ أنفسنا ومن سيّأت أعمالنا من يهدى الله فلا مضلّ لهٗ ٥ ومن يضُلل فلا هادى لهٗ ونشهد أن لااله الّا الله وحده لاشريك له ونشهد أن محمّداً عبده ورسوله۔ الذى لا نبىّ بعده وصلّى الله علىٰ نبيّه خير خلقه محمّدٍ وآله وأصحابه وبارك وسلّم۔

امابعد یہ رسالہ تائید الاسلام مصنفہ جناب فاضل اجل علامہ قاضی حاجی محمد سلیمان صاحب زید مجدہم العالی کا ہے جو ان کے رسالہ غایت المرام کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ دوسرا حصہ علامہ ممدوح نے ۱۸۹۸ء میں اور پہلا حصہ ۱۸۹۳ء میں تحریر فرمایا تھا۔ دونوں کتابیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ شائع ہونے سے چند ماہ کے بعد ان کی کوئی جلد بازار میں نہ رہی۔ لوگ اب تک ان کتابوں کے نہایت شائق تھے۔ اس لیے اس احقر نے اب ان کتابوں کو مکرر چھپوایا ہے۔

علامہ مصنف کی یہ ہردو تصنیفات ایسی جامع ہیں کہ ان کے بعد ہر ایک تصنیف میں ان سے مدد لی گئی ہے اور عصائے موسیٰ کے قابل مصنف نے کشادہ دلی سے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس کتاب کے ملاحظہ سے نہایت خوش ہوں گے۔

احقر خلیفہ ہدایت اللہ پنشنر ضلع دار نہر
ساکن پٹیالہ ریاست
(پنجاب)

قرآن شریف کی وہ تیس آیتیں جن سے مرزا صاحب نے اپنی غلط فہمی سے مسیح ابن مریمؑ کی موت ثابت کی ہے اور اُس غلط فہمی پر ہماری گذارشیں

(۱) پہلی آیت

﴿یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰی یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔﴾

''ازالہ'' میں تیس آیتوں کا مضمون ص ۵۹۸ سے شروع ہوا ہے۔ مرزا صاحب نے اِس سب سے پہلی آیت سے وفات مسیح پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ صرف آیت کا ترجمہ کر دیا ہے۔ یہ تو اولین آیت مستدلہ پر آپ کا حال ہے ع سالیکہ نکوست از بہارش پیدا۔ البتہ ترجمہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں: ''میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا''۔ اس ترجمہ پر بحث آگے آتی ہے۔

اس آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کی نسبت مرزا صاحب نے ازالہ ص ۳۹۴ پر یہ اقرار کر لیا ہے کہ یہ آیت وعدۂ وفات ہے (یعنی دلیل وخبر وفات نہیں) مگر میں حیران ہوں کہ وعدۂ وفات دینے میں کیا مصلحت الٰہی ہوسکتی ہے؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ اُن پر موت وارد نہ ہوگی، حالانکہ ہر شخص خواہ مومن ہو خواہ کافر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کو مانتا ہے۔ مرزا صاحب کا بیان ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے حضرت مسیحؑ کو پکڑ کر صلیب پر کھینچنا چاہا، کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ جو صلیب پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔ رب کریم نے یہود کے اس ارادۂ فاسد کے مقابلہ میں حضرت مسیحؑ کا اطمینان فرمایا کہ تم صلیب پہ

نہیں مروگے، بلکہ اپنی موت سے[1] مروگے۔ عزت پاؤگے، ان کافروں کے ارادۂ فاسد سے پاک رہوگے۔ میرے نزدیک مرزا صاحب کی یہ خود تراشیدہ وجہ بھی وعدۂ وفات کی مصلحت کے ظاہر کرنے میں بودی اور کمزور ہے۔ مرزا صاحب مانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر لٹکائے گئے۔ صلیب کی سختیوں سے ایسے قریب بہ مرگ ہوگئے کہ یہود نے مرجانے کا خیال کرلیا۔ سَبْت بھی قریب تھا۔ جلدی سے اُتار کر دفن کر گئے۔ حضرت مسیحؑ کے یار واحباب نے آ کر اُن کو نکال لیا۔ پھر وہ خفیہ زندہ رہے اور اپنی موت سے مرگئے۔ یہ وجہ اس لئے کمزور اور بودی ہے کہ مرزا صاحب مانتے ہیں کہ صلیب پر لٹکائے جانے کے بعد پھر زندہ رہے اور مدتوں جئے۔ تو اندریں صورت اقتضائے مقام یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو وعدۂ نجات دیتا کہ یہود تو تجھے صلیب پر لٹکانا چاہتے اور بےعزّتی کے ساتھ ہلاک کرنا چاہتے ہیں، مگر میں تجھے اِن کے ہاتھوں سے نجات دوں گا اور تو اپنی زندگی اور عمر کا بقیہ حصّہ خاموشی اور امن کے ساتھ پورا کرے گا، نہ کہ برخلاف اس کے کہ ایک شخص جو موت کے سامان اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہے اور اپنے مرنے کا یقین کررہا ہے اُس کی تسلّی اور تشفّی ان الفاظ میں کی جائے کہ میں تجھے ماروں گا اور وفات دوں گا دراں حالیکہ مارنے اور وفات دینے میں ہنوز عرصۂ دراز باقی ہے۔ ایسے موقعۂ دِل دہی اور اطمینان پر ایسے الفاظ کا استعمال دنیا کی کسی زبان میں بھی نہ ہوتا ہوگا۔ چہ جائے کہ رب کریم کے کلام میں ہو۔ جس کی بلاغت بدرجہ

☆ حاشیہ ۱: میں کہتا ہوں مرزا صاحب کی اس وجہ اور سبب وعدۂ وفات کے غلط ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہ تو اپنی پیدائش کے دن ہی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ نہ قتل کئے جائیں گے اور نہ صلیب پر لٹکائے جائیں گے بلکہ سلامتی کی موت کے ساتھ اپنی انفاس حیات پوری کریں گے پڑھو یہ آیت وسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا ۔ پس یہ آیت بھی صاف دلالت کررہی ہے کہ انی متوفیك کے معنی موت دوں گا ہرگز نہیں۔

غایت پہنچی ہوئی ہے [1]

اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے وہی

☆ حاشیہ:۱: آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کے جو معنی مرزا صاحب نے کیے ہیں اور اس معنی پر جو اعتراض ہم نے کیا ہے کہ آپ اس آیت کو حضرت مسیح کے لیے اطمینان دہ اور تسلی بخش مانتے ہیں۔ مگر آپ کا ترجمہ اس آیت کو اُن کے حق میں ایک پُر وحشت خبر اور پیام مرگ بتا رہا ہے اور ایک مقید واسیر کو جو اپنی آنکھوں سے صلیب کو اپنے لیے تیار اور قوم کو اپنے قتل پر آمادہ دیکھے، موت فوری اور قتل ذلت کا یقین دلا رہا ہے۔ ہمارے اس اعتراض کا صحیح ہونا مرزا صاحب نے خود تسلیم کرلیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واضح ہو کہ مسیح کو بہشت میں داخل ہونے اور خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے کا وعدہ دیا گیا تھا، مگر وہ کسی اور وقت پر موقوف تھا، جو مسیح پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وارد ہے، سو اس سخت گھبراہٹ کے وقت میں مسیح نے خیال کیا کہ شاید آج ہی وہ وعدہ پورا ہوگا۔ چونکہ مسیح ایک انسان تھا اور اس نے دیکھا کہ تمام سامان میرے مرنے کے موجود ہوگئے ہیں لہٰذا اس لیے برعایت اسباب گمان کیا کہ شاید آج میں مر جاؤں گا (ازالہ ص ۳۹۴)

مرزا صاحب ''مسیح ایک انسان تھا'' کہہ کر اپنے معنی کا نقص چھپانا چاہتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں مسیح ایک رسول تھا جس کے پاس یہود کے ہاتھوں سے نجات پا جانے کا وعدۂ حتمی اللہ تعالیٰ کے پاس سے آچکا تھا۔ اس لیے لازمۂ نبوت تھا کہ وہ ان کمزور ہیچ کار بندوں کے اسباب کو بیت العنکبوت سے زیادہ کمزور خیال کرتا اور ذرا گھبراہٹ اس کے لاحق حال نہ ہوتی۔ بے شک ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے استقلال واستقامت وصبر میں کبھی لغزش ظاہر نہیں ہوئی۔ یہود اور سلطنت کے مخالفوں کے سامنے اُن کا بھروسہ خدائے کریم پر تھا اور اُس نے اس کو بچا بھی لیا حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح کے استقامت احوال پر یہ جو اعتراض ہوتا ہے وہ بھی مرزا جی کے ترجمہ کی خرابی کا موجب ہے ورنہ نبی کی شان اس سے اعلیٰ و برتر ہے۔

اپنی غلطی پر اندرونی شہادت رکھتا ہے اور بآواز بلند پکار رہا ہے کہ الفاظ ربانی کے ایسے معانی کرنا جس کے ایک پہلو سے اللہ تعالیٰ پر فعل عبث اور کلام بے محل کا الزام آتا ہو اور دوسرے پہلو سے حضرت عیسیٰ پر غلط فہمی کا اعتراض قائم ہوتا ہو، بالکل بے بصیرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو اُس کے درجہ عُلیا سے متنزل کر دینا ہے اور متوفیک کا ترجمہ ''تجھے ماروں گا'' کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ترجمہ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پہلے الفاظ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا، کیونکہ جس عزت کی موت کا وعدہ تھا یا تو وہ عزّت جسمانی ہوسکتی ہے جو بقول آپ کے حضرتِ مسیح کو نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ تادمِ زیست یہودیوں کے خوف سے چھُپے ہی رہے۔ گمنامی کے ساتھ زندگی بسر کرنا اور معمولی طور پر مرجانا جسمانی لحاظ سے باعزت موت نہیں ہوسکتی، ایسی کہ اُس کا وعدہ بھی منجانب اللہ دیا گیا ہو اور یا وہ عزت روحانی ہوسکتی ہے یعنی اعلیٰ علّیین میں روح کا جاگزیں ہونا وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ سب امور تو انبیاء کو یقیناً حاصل ہوتے ہیں اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس کو سوء خاتمہ کا خوف ہو۔ یا سلب ایمان کا ڈر، پس اس اعتبار سے بھی یہ وعدہ ایک فعل لایعنی ہوا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ یہود کی مخالفت دیکھ کر خود حضرت مسیح کو بھی اپنی صداقت اور نبوت میں شک ہوگیا تھا۔ جس کا دفعیہ خدائے تعالیٰ کو کرنا پڑا کہ نہیں تو شک نہ کر، تو سچا ہے اور اس لیے تو عزّت کے ساتھ ہمارے پاس آئے گا۔ مُتَوَفِّيْكَ کے ترجمہ ''ماروں گا'' کی غلطی تو لفظ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بھی ظاہر کرتا ہے۔ جب مرزا صاحب کا اقرار ہے کہ حضرت مسیح یہود کے ہاتھوں صلیب پر لٹکائے گئے (گو اُن کو صلیب پر وفات پانے کا انکار ہے) اور توریت کے خاص الفاظ یہی ہیں کہ جو صلیب پر لٹکایا گیا (دیکھو صلیب پر لٹک کر مرگیا توریت بھی نہیں کہتی) وہ لعنتی ہے، تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کو یہود کی آنکھوں میں تطہیر حاصل نہیں ہوئی۔ حالانکہ وعدہ تطہیر کا تھا۔

اب ناظرین یہ بھی خیال فرمائیں کہ مرزا صاحب نے ان ہر چہار فعلوں

میں ترتیب طبعی کو تسلیم کرلیا ہے حالانکہ اُن کی بتلائی ہوئی وجہ سے جس کا ذکر اوپر ہوا وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا کو مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ پر تقدم زمانی حاصل ہے۔ کیونکہ تطہیر کے معنی ان کے نزدیک صلیب پر لٹکے ہوئے وفات نہ پانا ہے جو واقعہ تصلیب سے اگلے روز ہی اُن کو حاصل ہوگئی تھی اور جب تقدم زمانی ثابت ہوئی تو پھر اُن کا یہ مذہب کہ تقدیم وتاخیر الفاظ قرآنی میں صریح الحاد ہے۔ انھی پر لوٹ پڑے گا۔ غرض یہ ترجمہ ہی اپنی بُطلان پر خود شاہد ہے۔

اِس جگہ تقدیم وتاخیر الفاظ کی نسبت بھی مجھے کچھ گذارش کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ مُتَوَفِّيكَ کے معنی مُمِيتُكَ ہیں۔ اس پر وہی اعتراض وارد ہوتے جواب مرزا صاحب کے ترجمہ پر ہوئے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ان کا یہ مذہب بھی ہے کہ الفاظ مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ میں تقدیم وتاخیر ہے۔ مرزا صاحب اس مقام پر آکر ایسے غضب میں بھر جاتے ہیں کہ تقدیم وتاخیر الفاظ کا نام الحاد قرار دیتے ہیں اور اُن کے خوش فہم مرید بھی بحق صحابی رسول، مفسر قرآن، فقیہ فی الدین، برادرعم زاد نبی ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فتوے الحاد پر بڑے نازاں ہورہے ہیں۔ اگر اُن کو نظم قرآنی پر ذرا غور کا موقع بھی ملا ہوتا تو یہ حرف کبھی زبان پر نہ لاتے۔

امام جلال الدین سیوطی نے (جس کی نسبت مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ وہ کشف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحقیق مسائل اور تصحیح احادیث کر لیتے تھے) لکھا ہے:

النوع الرابع والاربعون فی مقدمه ومؤخره وهو قسمان. الاول ما اشكل معناه بحسب الظاهر فلما عرف انه من باب التقديم والتاخير اتضح وهو جدير ان ينفرد بالتصنيف وقد تعرض السلف لذلك فی مات فاخرج ابن ابی حاتم عن قتادة فی قوله فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم انما يريد الله ليعذبهم بها فی الحيوة الدنيا قال

هذا من تقاديم الكلام تقول لاتعجبك اموالهم ولا اولادهم فى الحيوة الدنيا انما يريد الله ان يعذبهم بها فى الاخرة۔ واخرج عنه ايضا فى قوله ولولا كلمة سبقت من ربك لكان لزاما واجل مسمى قال هذا من تقاديم الكلام تقول لولا كلمة واجل مسمى لكان لزاما واخرج عن مجاهد فى قوله انزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا قيما قال هذا من التقديم والتاخير انزل على عبد ه الكتاب قيما ولم يجعل له عوجا واخرج عن قتادة فى قوله انى متوفيك ورافعك الى قال هذا من المقدم والمؤخر انى رافعك الى ومتوفيك۔ واخرج عن عكرمة فى قوله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب قال هذا من التقديم والتاخير يقول لهم يوم الحساب عذاب شديد بمانسوا۔ واخرج ابن جرير عن ابى زيد فى قوله ولولا فضل الله عليم ورحمته لاتبعتم الشيطان الا قليلا۔ قال هذه الاية مقدمة ومؤخرة انما هى اذاعو به الا قليلا منهم ولولا فضل الله عليكم ورحمة لم ينج قليل ولا كثير۔ واخرج ابن عباس فى قوله فقالوا ارنا الله جهرة فقال انهم اذا راوا الله فقد راوه انما قالوا جهرة ارنا الله قال هو مقدم ومؤخر قال ابن جرير يعنى ان سوالهم كان جهرة ومن قوله واذ قتلتم نفسا فادارأتم فيها قال البغوى هذا اول القصة وان كان مؤخرا فى التلاوة وقال الواحدى كان الاختلاف فى القائل قبل ذبح البقرة وانما اخر فى الكلام لما قال ان الله يامركم انه علم المخاطبون ان البقرة لا تذبح الا لدلالته على قاتل خفيت عينه عليهم فلما استقر علم هذا فى نفوسهم اتبع بقوله واذ قتلتم نفسا فادراتم فيها فاسالتم موسى فقال ان الله يامركم ان تذبحوا بقرة ومنه افرايت من اتخذ الهه هواه والاصل هواه الهه لان من

اتخذ الهه هواه غير مذموم فقدم المفعول الثانى للعناية به وقوله اخرج المرعى فجعله غثاء احوى على تفسير احوى بالخضر۔ وجعله تخما للمرعى۔ اى اخرجه احوى فجعله غثاء واخر رعاية للفاصلة وقوله غرابيب سود والاصل سود غرابيب لان الغرابيب الشديد السواد وقوله فضحكت فبشرناها اى فبشرناها فضحكت وقد الف فيه العلامة شمس الدين ابن الصائغ كتابه المقدمة فى سر الالفاظ المقدمة الخ (الاتقان ص ۳۰۰)

ترجمہ! چوالیسویں فصل۔ قرآن مجید کے الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے بیان میں اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ظاہر عبارت کے معنی کرنے مشکل ہوں۔ مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے تو معنی واضح ہو جائیں۔ یہ قسم اس قابل ہے کہ اس میں جداگانہ تصنیف کی جائے۔ چنانچہ سلف نے بہت سی آیات میں توجہ بھی کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ آیت:

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ میں تقدیم ہے۔ یعنی لا تعجبك اموالهم ولا اولادهم فى الحيوة الدنيا انما يريد الله ان يعذبهم فى آخرة ہے۔ قتادہ سے ہی مروی ہے کہ ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَاَجَلٌ مُسَمًّى﴾ میں بھی تقدیم کلام ہے۔ گویا یوں ہے لَوْلَا كَلِمَةٌ وَاَجَلٌ مُسَمًّى لَكَانَ لِزَامًا۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ﴿اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا قَيِّمًا﴾ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ گویا یوں ہے انزل على عبده الكتاب قيما ولم يجعل له عوجا اور قتادہ سے مروی ہے کہ ﴿انى متوفيك ورافعك الى﴾ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ گویا یوں ہے انى رافعك الى ومتوفيك۔ عکرمہ سے مروی ہے کہ آیت ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی لهم يوم الحساب عذاب شديد

ہوا سمجھا ہے اور ابن جریر نے ابن زید سے روایت کی ہے کہ آیت :

﴿اِذْ جَاءَ هُمْ اَمرٌ مِنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رُدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ میں تقدیم وتاخیر ہے۔ یعنی الا قلیلا جو آیت کے آخر میں ہے یہ اذاعو به کے متعلق ہے۔ کیونکہ اگر فضل اور رحمت الٰہی نہ ہوتب تو کیا قلیل کیا کثیر کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ فَقَالُوْا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً کی کیا ضرورت ہے۔ پس آیت اور معنی یہ ہیں قالوا جهرة ارنا الله انہوں نے کھلم کھلا آ کر کہا ہم کو خداوند دکھلا دے۔ ابن جریر نے تشریح کردی ہے کہ ان کا یہ سوال بہ جہر تھا۔ علی ہذا آیت :

﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَاْتُمْ فِيْهَا﴾ بغوی نے لکھا ہے کہ یہ اول قصہ ہے۔ گو تلاوت اور نظم وترتیب کلام میں موخر ہے۔ واحدی نے بیان کیا کہ ذبح بقر سے پہلے قاتل میں اختلاف تھا اور اس کے موخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یامرکم فرمایا تو مخالفین سمجھ گئے کہ بقر اس لیے ذبح ہوتا ہے کہ قاتل پر دلالت کرے۔ پہلے تو یہ بات ہی ان کی سمجھ میں نہ آئی مگر جب یہ علم ان کے نفوس میں قائم ہوگیا تب واذ قتلتم نفسا الخ فرمایا۔ حضرت ابن عباس ہی سے مروی ہے کہ ﴿اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ﴾ میں تقدیم وتاخیر ہے اور اصل میں من اتخذ هواه الهه ہے کیونکہ نظم موجودہ کی صورت میں یہ معنی ہیں کہ جو شخص اپنے معبود کو ہی اپنی خواہش بناتا ہے اور یہ غیر مذموم ہے اس جگہ مفعول ثانی کو اس پر عنایت کی راہ سے مقدم کیا ہے۔ اس آیت (اخرج المرعى فجعله غثاء احوى) میں بھی تقدیم وتاخیر ہے جبکہ احوی کے معنی اخضر ہوں۔ اس کو موخر صرف رعایت فواصل سے کیا گیا ہے اور اس آیت ﴿غَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾ میں بھی تقدیم وتاخیر ہے اور اصل میں سود غرابيب ہے کیونکہ غرابیب سخت سیاہ کو کہتے ہیں اور اس آیت ﴿فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا﴾ میں بھی تقدیم وتاخیر ہے یعنی فبشرناها

فصاحت ہے۔ علامہ شمس الدین ابن الصائغ نے اسی مضمون میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام المقدمہ فی سر الالفاظ المقدمہ ہے''۔

اِس امام ہمام کی تحقیقات نفیسہ سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت ابن عباس کا یہ مذہب نہ صرف آیت متنازعہ فیہ میں یہ ہے کہ الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے بلکہ دیگر آیات میں بھی یہی مذہب ہے اور ائمہ ملت نے اس تقدیم وتاخیر کو ایسا مہتم بالشان سمجھا ہے کہ جداگانہ تصنیف اس کے لئے کی ہے اور تقدیم وتاخیر الفاظ میں جو راز دقیقہ اور بلاغت بالغہ ہے، اُس کے انکشاف میں سعی فرمائی ہے۔

ناظرین! مرزا صاحب کے الفاظ ترجمہ پر مکرر غور فرمائیں کہ اگر ان کے ترجمہ کے موافق متوفیك سے وفات جسمی اور رفع سے عروج روحی مراد لی جائے تو لامحالہ عبارت میں یہ تقدیر ماننی پڑے گی۔انی متوفی جسدك ورافع روحك، حالانکہ معنی بنانے کے لئے قرآن شریف کی عبارت میں الفاظ کی تقدیر مرزا صاحب کے مذہب میں الحاد اور کفر ہے۔

خیال کرنا چاہئے کہ اس جگہ چار فعل ہیں اور ان چاروں فعلوں کا فاعل باری تعالیٰ ہے اور ان چاروں فعلوں میں مخاطب یا عیسیٰ ہیں جن پر ان افعال کا اثر مترتب ہوتا ہے۔ اب یہ طے کرلینا چاہئے کہ لفظ عیسیٰ جو اسم ہے یہ مسمّٰی کے صرف جسم یا صرف روح پر دلالت کرتا ہے یا جسم وروح دونوں پر۔ مرزا صاحب کا مذہب بہت ہی عجیب ہے وہ انــی متوفیك میں ک کا مرجع یا عیسیٰ سے صرف جسم مراد لیتے ہیں کیونکہ توفی کے معنی وہ روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا بتلاتے ہیں۔ اور رافعك الی میں ک کا مرجع یا عیسیٰ سے صرف روح عیسیٰ لیتے ہیں اور مطھرك اور اتبعوك میں یا عیسیٰ کا مرجع جسم وروح دونوں کو۔ اور اس طرح پر وہ آیت کا ترجمہ کرسکنے کے قابل ہوتے ہیں جو سراسر نظم قرآنی کے خلاف اور شان کلام ربانی سے بعید ہے۔

ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ براہین احمدیہ میں جس کو خدا کے حکم والہام سے

مرزا صاحب نے لکھا اور جس کو کشف میں حضرت سیدہ فاطمہ زہرا نے مرزا صاحب کو یہ کہہ کر دیا کہ یہ تفسیر علی مرتضیٰ ہے۔ مرزا صاحب نے آیت یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کا اپنے اوپر الہام ہونا لکھا ہے اور پھر اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ ''اے عیسیٰ میں تجھے پوری نعمت دوں گا''۔ ظاہر ہے کہ اگر متـوفيك کے معنی حقیقی تجھے ماروں گا ہوتے تو الہامی کتاب اور کشفی تفسیر میں یہ ترجمہ اس کا نہ کیا جاتا۔ مرزا صاحب اس وقت بھی کچھ جاہل نہ تھے جو توفی کے معنی نہ جانتے ہوں۔ پس اگر یہ ترجمہ اُن کے لئے جائز اور صحیح ترجمہ تھا تو حضرت مسیح کے لئے کیوں یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ اگر مرزا صاحب فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے الہام میں تو اس وقت بھی متـوفيك کے معنی ''ماروں گا''، مراد تھی، مگر ترجمہ کرنے میں غلطی ہوئی تو خیر یہ بھی سہی مگر ظاہر ہے کہ براہین میں اس الہام کو چھپے ہوئے یعنی مرزا صاحب کو خبر وفات منجانب باری تعالیٰ ملے ہوئے پندرہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور مرزا صاحب کو اب تک موت نہیں آئی تو اس سے واضح ہوا کہ جس طرح مرزا صاحب کے لئے بعد از خبر وفات پندرہ سال کا عرصہ اوپر گذر جانا جائز ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح کے لئے صدیوں کا عرصہ گذر جانا بھی جائز ہے اور اس صورت میں حضرت ابن عباس کا مذہب ماننا پڑے گا۔ تـوفـیٰ کی لغوی بحث آگے آتی ہے۔

(۲) دوسری آیت مرزا صاحب نے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ﴾ پیش کی ہے۔ انہوں نے اس کا ترجمہ بدیں الفاظ کیا ہے'' بلکہ خدائے تعالیٰ نے عزت کے ساتھ اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔'' ترجمہ کے بعد پھر لکھا ہے اس جگہ رفع سے مراد موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے: ﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا﴾

مرزا صاحب نے مراد کا لفظ لکھ کر ثابت کر دیا کہ وہ اس جگہ مرادی ترجمہ کرتے ہیں اور ترجمہ آیت میں حسب مراد خود جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ نیز ثابت کر دیا کہ اس جگہ رفع کے لغوی معنی مرزا صاحب کے مذہب کو دفع کر رہے

ہیں۔آیت ﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ جو حضرت ادریس کی شان میں ہے۔وہ نہ اِن مرادی معنی پر دلالت کرتی ہے اور نہ مرزا صاحب کے کچھ مفید ہی ہے کیونکہ یہاں رفع کا لفظ مکانا علیا سے مضاف ہے اور جس کے یہ معنی ہیں کہ رب کریم نے حضرت ادریس کو رتبہ علیا پر فائز کیا اور منصب برتر پر ممتاز فرمایا۔ایسا ہی دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾

''یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے اور بعض کے درجے ہم نے بلند کئے ہیں۔''

اس میں رفع کو درجات کی طرف مضاف کیا ہے۔پس واضح ہوا کہ مرزا صاحب نے یہ مرادی معنی تو اللہ تعالیٰ کے مقصود و مطلوب کلام کے خلاف کئے ہیں لہٰذا روشن ہوا کہ رفع کے معنی یہاں بھی وہی ہیں جو لغت میں ہیں اور جو ہر جگہ لئے اور سمجھے سمجھائے بولے جاتے ہیں یعنی بلند کرنا۔اب چونکہ یہاں رفع کا لفظ ہے اور وہ الیَّ کی طرف مضاف ہے تو صاف اور سیدھے معنی جن کو لغت کی امان حاصل ہے، یہ ہیں کہ ہم نے عیسیٰ کو اپنی طرف اوپر اٹھالیا۔الیَّ کے معنی میں فوق، جہت، علو کی بحث (جو مسئلہ صفات کا حصّہ ہے) شامل کی جاسکتی ہے،مگر میں امید کرتا ہوں کہ آپ اِن صفاتِ الٰہی سے منکر نہ ہوں گے اور مسئلہ صفات میں اہل السنّت والجماعۃ کا مذہب چھوڑ نہ بیٹھے ہوں گے۔

ناظرین بجائے اِس کے کہ مرزا صاحب اِس آیت سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت کر سکتے۔اُن کو شروع تقریر میں ہی اپنے ضعف استدلال کا خود اقرار کرنا پڑا اور یہ ماننا لازی ہوا کہ جو معنی ہم نے کئے ہیں وہ مرادی معنی ہیں۔مجھے نہایت تعجب آتا ہے کہ توفی کے لفظ پر تو مرزا صاحب نے اتنا زور دیا ہے کہ گویا تمام بحث کا لُب لباب اور کل دلائل کا عطر مجموعہ یہی لفظ ہے اور وہ سارا زور صرف اِس

بات پر ہے کہ توفی کے لُغوی اور اصلی معنی وفات کے ہیں، مگر رفع میں آ کر اُس تمام جوش وخروش کو سینہ میں دبا کر چاہتے ہیں کہ اُس کے لغوی اور اصلی معنی کو چھوڑ کر مرادی معنی لے لیں اور اس طرح پر آدھا تیتر آدھا بٹیر کی مثل کے موافق تب انی متوفیك ورافعك الی کا ترجمہ کرسکنے اور بل رفعه الله الیه سے استدلال کرنے کے قابل ہوں۔ میں اس مقام پر زیادہ بحث اس لئے نہیں کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی اس دلیل کے موقع اور مقام پر بجز مرادی معنی لکھ دینے کے اور کچھ نہیں لکھ سکے۔ آگے چل کر اس کی بحث پھر آئے گی تاہم مرزا صاحب کے غور کے لئے اس قدر یہاں اور بھی لکھ دینا چاہتا ہوں کہ حضرت وعدہ تو ہوا تھا ان الفاظ میں انی متوفیك ورافعك الی اور پھر جب اس وعدہ کے ایفاء کی خبر دی تو ان الفاظ بل رفع الله الیه میں دی۔ آپ نے ازالہ کے مختلف مقامات پر واضح لفظوں میں تسلیم کرلیا ہے کہ ورافعك الی کے معنی باعزت موت لینے کے لئے یہ قرینہ ہے کہ متوفیك اُس سے پہلے پڑا ہوا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر متوفیك اس سے پہلے نہ ہوتا تو ورافعك الی کے معنی باعزت موت کے لینے جائز نہ تھے۔ لیجئے جناب خبر ایفائے وعدہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن دو وعدوں کے لفظوں میں سے ایسے لفظ پر اختصار فرمایا ہے جس کے معنی کو نہ حقیقۃً نہ مجازاً موت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ کیا آپ اس کا راز بیان کرسکتے ہیں۔ دیکھنا کہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب جس کو آپ نے الحاد قرار دیا ہے، وہی صحیح نہ ہوجاوے کہ رافعك الی الان ومتوفیك بعد نزول علی الارض۔

ناظرین یہ مرزا صاحب کا دوسری مستدلہ آیت میں حال ہے کہ نصوص شرعیہ کے الفاظ کو مرادی معنی کے تابع کیا جاتا ہے۔

(۳) تیسری آیت وفات عیسیٰ علیہ السلام پر مرزا صاحب نے ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾ پیش کی۔ اس آیت کی ضمن میں لفظ توفی پر نہایت پُر جوش اور زور دار لفظوں میں بحث کی ہے: لکھا ہے۔ توفی کے معنی اماتت اور قبض روح ہیں۔

بعض علماء نے الحاد اور تحریف سے اس جگہ توفیتنی[1] سے رفعتنی مراد لیا ہے اور اس طرف ذرا خیال نہیں کیا کہ یہ معنی نہ صرف لغت کے مخالف بلکہ سارے قرآن کے مخالف ہیں پس یہی تو الحاد ہے۔ قرآن شریف میں اول سے آخر تک بلکہ صحاح ستہ میں بھی انہی معنی کا التزام کیا گیا ہے۔ (ازالہ ص ۶۰۱)

اب مجھے لازم ہے کہ توفی کے لفظ پر بحث کروں اور لُغت نیز قرآن مجید سے اُس کے معنی اماتت اور قبض روح کے سوا اور بھی ثابت کردوں۔

پہلے لغت کی کتابوں کو لیجئے۔

(۱) صحاح میں ہے اوفاہ حقہ (باب افعال سے) اور وفاہ حقہ (باب تفعیل سے) اور استوفا حقہ (باب استفعال سے) اور توفاہ (باب تفعل سے جو زیر بحث ہے) سب ایک ہی معنی رکھتے ہیں کہ اُس کا حق پورا دے دیا۔ توفاہ الله کے معنی قبض روح ہیں اور توافی کے معنی نیند۔

(۲) ایفاء گزاردن حق کسے بہ تمام۔ ویقال منہ واوفاہ حقہ،

☆ حاشیہ :۱: مرزا صاحب دیکھیں کہ جب آپ نے محض ایک لفظ توفیتنی کے معنی رفعتنی لینے سے سینکڑوں سال کے مرے ہوئے ہزاروں علماء پر فتوی الحاد جاری کر دیا اور ان کو ملحد کہنے میں اُن کے ایمان واسلام، اقرار شہادتین وغیرہ کا کچھ خیال نہ کیا تب آپ کو حال کے علما سے اپنے فتوے تکفیر کے بارہ میں کیا شکایت ہوسکتی ہے جنھوں نے آپ کی تصانیف میں ہزاروں ایسے نمونہ پائے ہیں جن کو وہ، نیز تیرہ سو سال کے پہلے مسلمان کفر سمجھتے رہے ہیں (گو آپ کے زمانہ مجددیت نے اب اُن کو تجدید اسلام کا نام عطا فرما دیا ہو) کیا من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا کی حدیث کو آپ صرف اپنے بچاؤ کا حصار جانتے ہیں مگر خود حملہ کرنے کے وقت حریف کو اس کی آڑ لینے بھی نہیں دیتے۔ میں مولوی محمد احسن صاحب امروہوی سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اپنی کتاب تحذیر المومنین عن کفار المسلمین سب سے پہلے اپنے پیرومرشد کے ملاحظہ کے لئے پیش کریں۔

ووفاه، استیفا وتوفی تمام گرفتن حق۔ وتوفاه الله ای قبض روحه وفاة مردن۔ موافاة رسیدن وآمدن، وتوافی القوم ای تناموا

(۳) قاموس میں ہے اوفافلانا حقه کے یہ معنی ہیں کہ اس کو پورا حق دے دیا۔ جیسے وفاہ اور اوفاہ اور استوفاہ اور توفاہ کے یہی معنی ہیں۔ وفات بمعنی موت ہے۔ توفاہ الله کے معنی قبض روح ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ کتب مذکورہ بالا سے اُن کو کوئی ایسی مثال یا محاورہ دکھلا دیا جائے جس میں لفظ توفی بمعنی قبض جسم بولا گیا ہو۔ اب وہ توفاہ حقه کے محاورہ پر غور کریں جس سے درہم ودینار وغیرہ اجسام کا قبض کرنا ثابت ہے۔

اب تفاسیر کی طرف آیئے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے توفی کسی چیز کے پورا لینے کو کہتے ہیں (مرزا صاحب جو توفی کے معنی روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا بتاتے تھے اور کہتے تھے اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں، وہ ذرا اس لفظ پر خیال فرمائیں جو بیضاوی جیسے متبحر و ماہر نے لکھا ہے التوفی اخذا وافیا) مارنا اس کی ایک قسم ہے (اور نیند اس کی دوسری قسم) ان دونوں قسموں کا اِس قول ربانی میں ذکر ہے۔ خدائے تعالیٰ جانوں کو موت کے وقت پورا لیتا ہے (یعنی مارتا ہے) اور جو نہیں مرتے اُن کو نیند میں پورا لیتا ہے (یعنی سُلا دیتا ہے)

تفسیر کبیر میں ہے توفی کے معنی قبض کرنا ہے۔ اس لفظ سے عرب کے محاورات یہ ہیں: وفانی فلان دراهمی، واوفانی وتوفیتها منه یعنی فلاں شخص نے میرے درہم میرے قبضہ میں دے دیئے اور میں نے اس سے پورے کر لئے۔ (خیال فرمایئے یہ محاورہ قبض جسم کی مثال ہے، جس کے مرزا صاحب منکر ہیں) جیسے یہ محاورات ہیں سلم فلان دراهمی الی وتسلمتها منه یعنی فلاں شخص نے میرے درہم مجھے سپرد کردیے اور میں نے اُس سے لے لئے اور کبھی توفی بمعنی استوفی آتا ہے جس کے معنی پورا لینے کے ہیں۔ ان دونوں معنی کے اعتبار سے (کہ خود توفی کے معنی بھی قبض کرنا ہے اور توفی کے معنی استوفی بھی ہیں)

حضرت مسیح کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر چڑھا لے جانا اُن کی توفی ہے۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ جب توفی بعینہ رفع جسم ہوا، تو متوفیك کے بعد رافعك الی کہنا تکرار بلا فائدہ ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ متوفیك فرمانے سے صرف قبض کرنا معلوم ہوا جو ایک جنس اور عام مفہوم ہے اور اس کے تحت میں کئی انواع واقسام پائے جاتے ہیں (۱) موت (جس میں صرف روح کو قبض کرنا ہوتا ہے) (۲) جسم کو آسمان پر لے جانا (جس میں روح کی شمولیت بھی پائی جاتی ہے) (۳) نوم جس میں ایک قسم کا قبض روح ہوتا ہے۔ پس جب متوفیك فرمانے کے بعد و رافعك الی بھی فرمادیا تو اس سے اس جنس کی ایک نوع کا تقرر ہوگیا اور تکرار لازم نہ آیا۔

اِسی تفسیر میں آیات زیر بحث کی تفسیر میں ہے۔ یتوفاکم باللیل کے معنی ہیں، خدائے تعالیٰ تم کو رات کو سلا دیتا ہے اور تمہاری ان ارواح کو قبض کر لیتا ہے جن سے تم ادراک اور تمیز کر سکتے ہو، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کہ خدائے تعالیٰ ارواح کو نیند کے ساتھ قبض کرتا ہے جیسا کہ موت کے ساتھ قبض کرتا ہے۔

لُغات اور تفاسیر کے بعد آپ قرآن مجید کی آیات ذیل پر غور فرمائیے:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾

ترجمہ! خدا وہ ہے جو تم کو رات کے وقت پورا قبض کر لیتا ہے اور جو تم دن کو کیا کرتے ہو، اُس کو جانتا ہے۔ پھر تم کو دن میں اٹھاتا ہے تا کہ تمہاری میعاد حیات پوری کرے۔

مرزا صاحب جو ازالہ کے ص۲۰۰ پر توفی کے معنی صرف اماتت یعنی مار دینا اور روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا بتاتے تھے، اپنے ان معنی کو ملحوظ رکھ کر ذرا اِس آیت کا ترجمہ تو کر دیں مگر یاد رکھیں کہ اگر اس شبانہ روزی موت کا آپ نے اقرار کر لیا تو آپ کے بیسیوں دلائل پر پانی پھر جائے گا۔

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ

مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾

ترجمہ! خدا تعالیٰ موت کے وقت جانوں کو پورا قبض کر لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی توفی نیند میں ہوتی ہے۔ یعنی نیند میں اُن کو پورا قبض کر لیا جاتا ہے۔ پھر اُن میں جس پر موت کا حکم لگا چکتا ہے، اس کو روک لیتا ہے اور دوسری کو (جس کی موت کا حکم نہیں دیا) (نیند میں توفی کے بعد) ایک وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔

مرزا صاحب کو لازم بلکہ واجب ہے کہ اس آیت میں توفی کے معنی ضرور ہی اماتت کے لیں کیونکہ یہاں نفس انسانی مفعول اور خدا فاعل بھی ہے، لیکن اگر اُن کو اس جگہ توفی کے معنی اماتت لینے میں کچھ پس وپیش ہو (جیسا کہ ازالہ ص ۳۳۲ پر اس تذبذب اور اندرونی بے چینی کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ "یہ دو موخر الذکر آیتیں اگرچہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں مگر درحقیقت اِن دونوں آیتوں میں نیند نہیں مراد لی گئی) تو اُن کو ازالہ ص ۶۰۱ پر لکھے ہوئے الفاظ سے ذرا شرم فرمانی چاہئے کہ قرآن شریف میں اول سے آخر تک توفی کے معنی اماتت کا ہی التزام کیا گیا ہے۔ حوالہ کتب لغت اور نقل محاورات اور ثبوت آیات قرآنیہ کے بعد میں بہتر سمجھتا ہوں کہ ازالہ ص ۶۰۱ کے جواب میں اِسی کا صفحہ ۳۳۲ پیش کر دوں جس میں آپ نے توفی کے معنی اِس جگہ بظاہر نیند ہونا قبول کر لئے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ اس جگہ توفی سے حقیقی موت نہیں بلکہ مجازی موت مراد ہے، جو نیند ہے۔ ہم کو آپ کا اس قدر اقرار بس ہے، کیونکہ خواہ آپ نے لفظ بظاہر کی قید لگائی یا مجاز کی۔ بہر حال آپ کا وہ دعویٰ ص ۹۱۸ کہ قرآن مجید میں لفظ توفی بجز معنی اماتت کے دوسرے معنی میں مستعمل ہی نہیں ہوا، غلط ثابت ہو گیا۔

لفظ توفی پر اِس قدر بحث وتحقیق کے بعد اب میں مرزا صاحب کی وجہ استدلال کی طرف توجہ کرتا ہوں جس سے آپ نے اِس آیت کو تیسری دلیل وفات مسیحؑ پر قرار دیا ہے۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں: فلما توفیتنی سے پہلے یہ آیت ہے اذ قال اللہ یا عیسیٰ الخ قال ماضی کا صیغہ ہے۔ اور اذ جو خاص ماضی کے واسطے آتا ہے اُس سے پہلے موجود۔ ثابت ہوا یہ قصہ نزول آیت کے وقت ایک ماضی قصہ تھا نہ زمانہ استقبال کا۔ پھر جو جواب حضرت عیسیٰ کی طرف سے ہے یعنی فلما توفیتنی وہ بھی صیغہ ماضی ہے (ص ۶۰۲) غرض اِس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ مر چکے اور اس مرنے کا اقرار خود اُن کی زبان کا موجود ہے''۔

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ہم حضرت عیسیٰ اور رب العالمین کے اس سوال وجواب کو زمانہ مستقبل کا سوال وجواب ثابت کر دیں اور پھر توفیتنی کے جو معنی رفعتنی الی السماء عامۂ مفسرین نے لئے ہیں، اُس کا قرینہ اِسی آیت میں سے نکال دیں تو کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کی یہ دلیل بھی اُن کے حق میں بالکل بودی اور ضعیف ثابت ہو جائے گی۔ واضح ہو کہ قال کے ماضی ہونے میں کچھ شبہ نہیں مگر یہ غلط ہے کہ اذ صرف ماضی کے واسطے آتا ہے یا جب ماضی پر آتا ہے تو اُس جگہ زمان مستقبل مراد ہونا ممتنع ہوتا ہے۔ دیکھو ولو تری اِذْ فَزِعُوْا اور اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا میں ماضی پر اذ آیا ہے، مگر وہی حال قیامت کے لئے۔ علی ہذا مضارع پر بھی اذ آیا ہے۔ پڑھو یہ آیت وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ اور وَاِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ مگر ہاں سنت اللہ یہ ہے کہ زمان مستقبل کے جن امور کا ہونا یقینی اور ضروری ہے اُن کو بصیغہ ماضی بیان کیا جایا کرتا ہے۔ جس شخص کو نظم قرآنی کے سمجھنے میں ذرا بھی مناسبت ہوگی، جس نے بادنیٰ توجہ بھی قرآن مجید کے ایک پارہ کی تلاوت کی ہوگی، وہ ہمارے بیان کی صداقت سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قیامت کا ذکر خصوصیت سے ایسا ذکر ہے جس کو جا بجا صیغہ ماضی سے بیان کیا گیا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح واقعات گذشتہ کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اسی طرح احوال قیامت میں کسی کو مجال انکار و مقام شبہ باقی نہ رہ جائے۔ مثلاً حدیث صحیح میں آیا ہے جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُھَا الرَّادِفَةُ پہلا نفخ صور آ گیا۔ اُس کے ساتھ دوسرا بھی ہے۔

قرآن میں ہے اَتٰی اَمرُ اللّٰہِ قیامت آ گئی، گو جاء ت اور اتی صیغہ ماضی ہیں مگر زمان مستقبل کی خبر دیتے ہیں۔ اس طرز کلام میں یہ سمجھانا مقصود ہوتا ہے کہ ان امور کا واقع ہونا ذرا بھی غیر یقینی نہیں۔

اب یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ پرسش وگزارش یہ سوال اور جواب زمانہ ماضی کا ایک قصہ نہیں بلکہ یوم الدین کے وقوعی امر کا اخبار ہے۔ آپ قرآن مجید کی طرف توجہ فرمائیں کہ شروع قصہ مسیح ابن مریم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾

ترجمہ! ”جس دن خدائے تعالیٰ رسولوں کو اکٹھا کر کے فرمائے گا تم کو تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا، عرض کریں گے ہم کو اس کی خبر نہیں، تو علام الغیوب ہے۔“

الرسل لانے کے بعد ایک اولوالعزم رسول کے ساتھ جو سوال و جواب ہوں گے، ان کی خصوصیت سے تصریح بھی فرمادی اور اس سوال و جواب کے لکھنے سے پہلے مسئول عنہ کی قدر و منزلت دکھلانے کے واسطے اُن نعمتوں عزتوں کا شمار بھی فرمایا جو حضرت عیسیٰ کو عطا کی گئی تھیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس ہولناک دن میں کیسے کیسے ممتاز رسولوں کو اپنی اپنی پڑی ہوگی اور مشرکین کو اُن کے معبود ذرا بھی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔

پھر دیکھو کہ اس سوال و جواب کے ختم ہونے اور حضرت عیسیٰ کی بے گناہی کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرت عیسیٰ کے الفاظ:

﴿اِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے:

﴿قَالَ اللّٰہُ ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ﴾

”آج تو وہ دن ہے کہ صادقین کو اُن کا صدق نفع پہنچائے۔“ اب اس میں تو شک نہیں کہ ھذا یوم اس سوال و جواب کے دن ہی کو کہا گیا ہے اور اس میں

بھی شک نہیں کہ ینفع الصادقین صدقھم کا ظہور قیامت کے روز ہی ہونا ہے لہذا مرزا صاحب کو چاہئے کہ اب اذ قال کی کوئی اور توجیہ پیش کریں۔

اب ناظرین آیت و معنی آیت ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾

ترجمہ! ''میں ان کی نگہبانی کرتا رہا جب تک ان کے درمیان موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو ان کا نگہبان اور رکھوالا تھا۔''

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دینے کے وقت انی متوفیك ورافعك الی فرمایا تھا۔ توفی کے معنی ہیں، کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ یہ ایک جنس ہے، جس کے تحت بہت انواع ہیں۔ رفع بھی اُسی کی ایک نوع ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے بل رفعه الله الیه کے لفظ سے خبر دی ہے تا کہ تعین ہو جائے اور اس لئے جب مفسرین نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ خود اس جنس سے تعین ایک نوع کی فرما چکا ہے تو انہوں نے فلما توفیتنی کے معنی بھی مراد سبحانی و تعین ربانی کے موافق کئے، جس کو مرزا صاحب نے خود نہیں سمجھا اور اس غلط فہمی کی وجہ سے سب مفسرین پر الحاد اور تحریف کرنے کا فتویٰ جاری کر دیا۔ حضرت اس میں مفسرین کا کچھ قصور نہیں۔ اگر تحریف اسی کا نام ہے تو وہ خود اس کلام پاک اور قدیم کے متکلم کی طرف سے وقوع میں آئی ہے۔ جو فتویٰ لگانا ہو اس پر لگایئے۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ خارجی دلائل کو تائید میں لانے سے پہلے خود اس آیت کے اندر دلائل کی تلاش کرنے سے بہت کچھ ملتا ہے حضرت عیسیٰ نے یوں عرض کیا ہے کُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ۔ ''یعنی جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا تب تک ان کا نگہبان تھا''۔ یہ الفاظ بآواز بلند پکار رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے رہنے یعنی زندگی بسر کرنے کا کوئی ایسا زمانہ بھی ہے جب کہ وہ اپنی امت میں موجود نہیں رہے اور ان کو منصب رسالت و تبلیغ و وعظ و انذار سے کوئی علاقہ بھی نہیں رہا اور کچھ شک نہیں کہ وہی زمانہ صعود بر سماء کا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے قول مادمت فیھم کے معنی سمجھنے کے لئے حضرت عیسیٰ کے دوسرے قول مادمت حیا پر بھی نظر ڈالنی چاہئے کہ پہلے قول میں آپ نے فرمایا ہے ''جب تک میں ان کے درمیان رہا'' اور دوسرے قول میں ہے'' جب تک میں زندہ رہوں''۔ پہلے میں اُن کے درمیان رہنے کی قید اور دوسرے قول میں ''نماز وزکوٰۃ کے لئے حیات کی قید'' کیا معنی رکھتی ہے۔ اگر فلما توفیتنی میں حضرت عیسیٰ کو اپنی موت کا بیان کرنا تھا تو اس کے لئے نہایت واضح لفظ یہ تھے کہ یوں فرماتے :

كُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَادُمْتُ حَيًّا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ

جب کہ ایسا نہیں فرمایا۔ تو ثابت ہوا کہ آپ کی یہ تیسری متدلہ آیت بھی آپ کے دعویٰ کا کچھ ثبوت نہیں۔ بلکہ روشن ہوگیا کہ حیات مسیح کے لئے ہماری دلیل ہے۔ ناظرین کو یہ بھی واضح ہو کہ مرزا صاحب نے اپنی دیگر متدلہ آیات کی نسبت تو دلالت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی یہ آیت دلالت کرتی ہے، وہ آیت دلالت کرتی ہے۔ مگر اس تیسرے نمبر آیت کی نسبت یہ الفاظ لکھے تھے کہ یہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے مرنے پر کھلی کھلی گواہی دے رہی ہے اور جو آیت اُن کے زعم میں کھلی کھلی گواہی دیتی تھی اُسی میں اُن کا ضعف استدلال اس قدر ہے۔

(۴) چوتھی آیت جس کا موت مسیح علیہ السلام پر دلالت کرنا مرزا صاحب نے تحریر کیا ہے وہ یہ ہے:

﴿اِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾

اس کی وجہ استدلال مرزا صاحب نے اس جگہ کچھ نہیں لکھی، صرف یہ تحریر کیا ہے کہ اس کی تفسیر اسی رسالہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

ناظرین واضح ہو کہ اس آیت میں غور طلب تین الفاظ ہیں ۔ اول لیؤمنن ،دوم بہ سوم قبل موتہ ۔مرزا صاحب نے لیؤمنن کو صیغہ ماضی بنا کر

ترجمہ کیا ہے اور یہ الفاظ لکھے ہیں کہ کوئی اہل کتاب نہیں جو اس بیان پر ایمان نہ رکھتا ہو (ص۲۷۳ ازالہ)۔ حالانکہ تمام روئے زمین کے علماء علم نحو کا اِس قاعدے پر اتفاق ہے کہ جب مضارع پر لام تاکید اور نون ثقیلہ واقع ہوتے ہیں تو فعل مضارع اس جگہ خالص مستقبل کے لئے ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جس کو مرزا صاحب آج تک غلط ثابت نہیں کر سکے اور نہ کر سکیں گے بلکہ جب یہاں آ کر نہایت دست پاچہ ہو گئے تو یہ جواب بنایا ہمارے اوپر اللہ ورسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف ونحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیں کہ باوجودیکہ ہم پر کافی اور کامل طور پر معنی آیت کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے تو پھر بھی ہم اسی قاعدہ صرف یا نحو کو ترک نہ کریں۔ اس بدعت [1] کے التزام کی ہمیں حاجت ہی کیا ہے؟ (مناظرہ دہلی ص ۶۱)

اس جواب سے جو علمیت وقابلیت اور پھر اس پر زبان دانی اور الہام یابی کا افتخار ظاہر ہو رہا ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیسری آیت کی

☆ حاشیہ: ۱: صرف ونحو کو بدعت کہنا یہی مرزا صاحب کی بدعت ہے۔ شاہ اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ایضاح الحق الصریح میں فرماتے ہیں: ’’جمع قرآن وترتیب سورہ ونماز تراویح بہیئۃ مخصوصہ، واذان اول برائے نماز جمعہ واعراب قرآن مجید، ومناظرہ اہل بدعت بدلائل نقلیہ، وتصنیف کتب حدیث، وتبیین قواعد نحو، وتنقید رواۃ حدیث واشتغال باستنباط احکام فقہ بقدر حاجت ہمہ از قبیل ملحق بالسنۃ ست کہ در قرون مشہود لہا بالخیر مروج گردیدہ وبآں تعامل بلانکیر درآں قرون جاری شدہ چنانچہ برمہرۂ فن تاریخ مخفی نیست‘‘ مرزا صاحب دیکھیں کہ قواعد نحو کو کن علوم ہمایوں کے پہلو میں جگہ دی گئی ہے پھر اس کا ملحق بالسنۃ ہونا، قرون مشہود لہا بالخیر میں بلا انکار احدے مروج ہونا اور تعامل کے زبردست سلسلہ میں (جس کی اُوٹ آپ اکثر لیا کرتے ہیں) آجانا یہ سب امور کس وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں اور آخر فقرہ میں یہ بھی ظاہر فرما دیا ہے کہ ان سے انکار کرنے والا تاریخ اسلامی سے ناواقف محض ہے۔

وجہ استدلال میں جب مرزا صاحب نے حرف اذ اور قـــال پر نحوی بحث کی تھی اس وقت تو اس بدعت کے التزام کی ان کو حاجت تھی۔ اب کہ اس التزام سے دعویٰ ٹوٹتا ہے اور بے شمار وساوس و دوراز کار خیالات (جن کو بڑی آب و تاب کے ساتھ مجموعہ اوہام میں جلوہ دیا گیا ہے) هَبَاءً مَنْثُوْرًا کی طرح اڑ جاتے ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کو اس التزام بدعت کی کچھ حاجت نہیں رہی۔ مگر اس لئے کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں رہی، لازم نہیں آتا کہ قاعدہ نحوی کی صحت بھی باقی نہیں رہی۔ ناظرین یاد رکھیں کہ لَیُؤمنن اخالص مستقبل کے لئے ہے۔

دوسری بحث به کی ضمیر پر ہے کہ اس کا مرجع کون ہے۔ مرزا صاحب به کا مرجع بیان مذکورہ بالا کو بتاتے ہیں۔ (دیکھو ازالہ ص ۳۷۲)، اور ہم حضرت عیسیٰ کو۔ لیکن بیان مذکورہ کو مرجع قرار دینے سے ہمارا کچھ حرج نہیں یعنی محض بـــہ کا مرجع بیان مذکورہ قرار دینے سے مرزا صاحب کا مذہب ثابت ہونا ممکن نہیں۔ تیسری بحث قبـل مـوتـه ٢ کی ضمیر پر ہے اور یہ بھی لیـؤمـنن کی طرح ضروری بحث ہے۔ کیونکہ جو کوئی قبـل مـوتـــه کی ضمیر کا مرجع قرار دیا جائے گا۔ اُسی کی حیات بالفعل ثابت ہو جائے گی۔ بعض مفسرین نے قبـل مـوتـه کے مرجع قرار دینے میں مختلف

☆ حاشیہ ١: ایک دوسری آیت میں ہے ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرَنَّهٗ صرف حاضر و غائب کا فرق ہے۔ مرزا صاحب اس کو ماضی بنا کر ترجمہ کر دکھلائیں۔

☆ حاشیہ ٢: مرزا صاحب نے به کی ضمیر کا مرجع بیان مذکورہ اور قبـل موته کا مرجع کتابی یہی بتایا ہے مگر معلوم نہیں کہ یـوم القیامة یکون علیهم شهیدا میں یکون کا فاعل کس کو قرار دیں گے۔ اگر حضرت عیسیٰ ہی کو قرار دیں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ضمائر میں اس قدر بعد وانفصال تعقید کلام میں داخل ہے جو فصاحت و بلاغت سے سخت مخالف ہے پھر قبـل موته کی ضمیر کا مرجع کتابی کو کہنا اس لئے غلط ہے کہ اس صورت میں قبـل موته کا جملہ کلام میں ذرا بھی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ لیـؤمـــنـن میں جو ایمان لانے کی خبر ہے وہ خود حیات کتابی کی مقتضی ہے۔

اقوال لکھے ہیں، مگر اہل السنت والجماعت کے جمہور کا مختار مذہب یہ ہے کہ قبل موته کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ مرزا صاحب نے بھی مسلمانوں کے حال پر رحم فرما کر ازالہ کے ص ۳۷۲ پر قبل موته کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے اور گو آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے بڑے بڑے لمبے لمبے جملہ ہائے معترضہ بیچ میں ڈال کر معنی کچھ کے کچھ کر گئے ہیں مگر ہم اس کو لاکھ غنیمت سمجھتے ہیں کہ قبل موته کے مرجع میں وہ ہم سے خلاف نہیں۔ ازالہ کے صفحہ ۳۸۵ پر پھر قند مکرر کے طور پر اس شہادت کو ادا کیا ہے اور تسلیم کر لیا کہ قبل موته کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قبل موته کی تفسیر یہ ہے کہ قبل ایمانه بموته ہم کو ان معنی سے کچھ سروکار نہیں۔ ضمیر کا مرجع جس کو ہم نے قرار دیا تھا اسی کو مرزا صاحب نے تسلیم بھی کر لیا و لله الحمد ۔ اب اس تسلیم کے بعد مرزا صاحب اور ان کے تمام اعیان وانصار کے لئے محال کلی ہے کہ اس آیت سے وفات عیسیٰ علیہ السلام کی (صراحت تو کیا) دلالت بھی ثابت کر سکیں۔ اب اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱- اور نہیں کوئی اہل کتاب سے، مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اُس کے پہلے موت اس کی کے۔ (شاہ رفیع الدین)

۲- اور جو فرقہ کتاب والوں میں سے ہے، سو اس پر یقین لاویں گے اُس کی موت سے پہلے (شاہ عبد القادر)

بقیہ ۲: ورنہ ماننا پڑے گا کہ بعد از موت یقین کرنے کا نام بھی شرع میں ایمان رکھا گیا ہے اور یہ بالبداہت باطل ہے۔ واضح ہو کہ شرع میں حالت نزع بھی بعد از موت میں داخل اور زمانۂ حیات سے خارج ہے۔ دیکھو جب فرعون نے اپنے غرق ہونے کو یقینی معلوم کر کے امنت برب بنی اسرائیل کہا تو اس کے جواب میں اس کو یہی کہا گیا الان وقد حصحص الحق غرض مرزا صاحب کے معنی ہر طرح سے نظم قرآنی کے خلاف ہیں اگرچہ ان کے وہ معنی بھی کسی طرح سے مفید مطلب نہیں ہو سکتے کیونکہ لیؤمنن صیغہ ماضی نہیں بن سکتا۔

۳- نباشد ہیچ کس از اہل کتاب الا ایمان آورد بہ عیسیٰ پیش از مردن عیسیٰ (شاہ ولی اللہ)
(ان ہر سہ تراجم میں بہ اور قبل موتہ دونوں کی ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یہی مذہب جمہور ہے)

۴- اور نہیں کوئی اہل کتاب مگر البتہ ایمان لاوے گا وہ قرآن کے بیان مذکورہ بالا پر پہلے حضرت عیسیٰ کی موت کے (مرزا غلام احمد صاحب)
(یہ معنی مرزا صاحب کے مذہب پر ہیں جو بہ کا مرجع بیان کو اور موتہ کا حضرت عیسیٰ کو کہتے ہیں۔)

اور ان سب صورتوں میں حیات مسیح علیہ السلام ثابت ہوتی ہے۔ وفات کا کیا ذکر ہے اور اس آیت سے مرزا صاحب کو استدلال کرنے کی کیا وجہ ہے؟

یاد رکھو کہ جب تک مرزا صاحب لیؤمنن کو مفید معنی ماضی ثابت نہ کرسکیں تب تک وہ اس آیت سے استدلال کا نام بھی نہیں لے سکتے اور یہ ثابت کرنا اُس وقت تک ان پر محال ہے جب تک کہ موجودہ علم نحو کی تمام کتابوں کو ڈبو کر اور تمام عرب اہل زبان کو دریا بُرد کر کے از سر نو ملک عرب آباد نہ کریں اور اُس میں اپنا نو ایجاد کردہ صرف ونحو جاری نہ فرمائیں۔

(۵) پانچویں آیت مرزا صاحب نے وفات مسیح کے ثبوت میں تحریر کی ہے:

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾

آیت مذکورہ کو مرزا صاحب نے موت مسیح پر نص صریح لکھ کر بتایا ہے کہ وجہ استدلال یہ ہے کہ کانا حال کو چھوڑ کر گزشتہ کی خبر دیا کرتا ہے اس جگہ کانا تثنیہ ہے۔ دونوں اس ایک ہی حکم میں شامل ہیں۔ یہ نہیں بیان کیا گیا کہ حضرت مریمؑ تو بوجہ موت طعام کھانے سے روکی گئیں لیکن حضرت ابن مریم کسی اور وجہ سے۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ اگر اس آیت کو مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یقینی وقطعی نتیجہ یہ ہے کہ فی الواقع حضرت

مسیح فوت ہو گئے۔

ناظرین یہ غلط ہے کہ کان ہمیشہ حال کو چھوڑ کر گزشتہ زمانہ کی خبر دیا کرتا ہے اگر یہی صحیح ہے تو کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر" کا ترجمہ مرزا صاحب کر کے دکھائیں۔

اب حقیقت حال سنئے۔ اِس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے دو فرقوں کی تردید وتکذیب دلائل عقلی سے فرمائی ہے اور ان کے کفر کا ثبوت دیا ہے۔

۱- ﴿لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ﴾

البتہ وہ کافر ہوئے جن کا یہ قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے کیونکہ مسیح نے تو خود کہا ہے لوگو میرے اور اپنے خدا کی عبادت کرو۔

۲- ﴿لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ﴾

البتہ وہ بھی کافر ہوئے جو خدا کو تثلیث کا ایک اقنوم کہتے ہیں۔

۳- ﴿مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَۃٌ کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ﴾

ترجمہ! اور مسیح ومریم تثلیث کے دوسرے دو اقنوم جیسا کہ رومن کیتھلک کا اعتقاد ہے بھی خدا نہیں کیونکہ مسیح بن مریم تو رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں اور اس کی ماں صحابیہ وصدیقہ ہے دونوں طعام کھایا کرتے تھے۔

صاف ظاہر ہے کہ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کو عیسائیوں کی غلطی ثابت کرنا اور اُن کے کفر پر دلیل قائم کرنا منظور تھا جو مسیح ہی کو خدا قرار دیتے تھے۔ اُن پر یوں دلیل قائم کی کہ مسیح خود لوگوں کو یوں کہا کرتا تھا کہ میرے رب اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ اگر وہ خود خدا ہوتا.........تو وہ یوں کہا کرتا" لوگو میں جو تمہارا رب ہوں، میری عبادت کرو"

لیکن جب مسیح نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے تو اُس تربیت یافتہ کو رب کہنا کفر ہے۔

جو لوگ ایک خدا کو تین خدا اور تین خدا کو ایک خدا کہتے اور خدا، مسیح، مریم کو اقانیم ثلثہ قرار دیتے تھے۔ خداوند کریم نے اُن پر دلیل قائم کی کہ جب ہزاروں، لاکھوں شخصوں نے ان دونوں ماں بیٹا کو لوازم بشری کے محتاج اپنی طرح پایا اور دیکھا ہے اور با ایں ہمہ پھر ان کو خدا کہنے کی جرأت کی ہے۔ یہ بھی ان کا کفر ہے۔ اب ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ اس میں موت وحیات کی کیا بحث ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے وہ مراد ہی نہیں لی تو مرزا صاحب متکلم کے خلاف ان الفاظ سے معانی نکالنے کے کیا مجاز ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ تفسیر بالرائے کا کیا حکم ہے۔

علاوہ اِس کے مرزا صاحب کو خود اقرار ہے کہ حضرت مریمؑ کے طعام نہ کھانے کی وجہ موت اور ابن مریم کے طعام نہ کھانے کی کوئی دوسری وجہ بیان نہیں کی گئی، صرف کانا کہا گیا ہے تو اس صورت میں مرزا صاحب کا کیا حق ہے کہ جس امر کی وجہ اس آیت میں بیان نہیں ہوئی اُس کو آپ خود بیان کریں بلکہ اُس پر جزم بھی کردیں۔ کیا ممکن نہیں کہ دو شخصوں کا ایک مشترکہ فعل سے جدا ہونا مختلف اسباب سے ہو۔ مثلاً زید اور عمر پارسال دونوں لاہور رہتے تھے۔ زید نے تعلیم چھوڑ دی اور عمر ولایت چلا گیا اس مثال میں دیکھو۔ لاہور میں رہائش دونوں کا مشترک فعل ہے مگر اُس سے جدا ہونے کے مختلف اسباب ہیں۔

مرزا صاحب اگر ایسے ایسے دلائل ہی آپ کے مذہب کی مد ہیں تو اس کے مقابلہ میں کوئی شخص یہ آیت پیش کرسکتا ہے ﴿قُلْ فَمَنْ ۱؎ یَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔـا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا﴾

اور کہہ سکتا ہے کہ نہ کبھی جمیع من فی الارض ہلاک ہوئے اور نہ مسیح

☆ حاشیہ ۱؎: ترجمہ یہ ہے: کہہ دے کون سی چیز خدا کی روک بن سکتی ہے۔ اگر وہ یہ چاہے کہ مسیح اور اس کی ماں کو نیز تمام مخلوق کو جو کل صفحہ زمین پر ہے، ہلاک کردے''۔ اگر ہلاک کردے بتا رہا ہے کہ اب تک اللہ تعالیٰ نے ہلاک نہیں کیا۔

اور نہ ان کی مادر صدیقہ ہی کو ہلاکت نے اپنا اثر پہنچایا جس طرح آج جمیع من فی الارض زندہ ہیں مسیح اور اس کی ماں بھی زندہ ہے۔ اگر آپ اس کو صحیح نہیں مان سکتے تو وہ آپ کا استدلال بالا ولی غیر صحیح اور سراپا غلط ہے۔

اس آیت کو آپ نے نص صریح کہہ کر پھر استدلال کے وقت اس کے ساتھ دوسری آیت کو ملانے اور پھر یقینی نتیجہ پر پہنچنے کی نسبت جو لکھا ہے، اُس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک بھی یہ آیت نص صریح لذاتہا نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ دوسری آیت جس کو ملا کر آپ نے اس دلیل کو کامل بنایا ہے اُس کی بحث ذیل میں آتی ہے۔

(۶) وفات مسیح پر یہ چھٹی آیت مرزا صاحب نے لکھی ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَاكُلُونَ الطَّعَامَ﴾ اور تحریر کیا ہے کہ درحقیقت یہی اکیلی آیت [1] کافی طور پر مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے (ص ۶۰۵) مرزا صاحب کی وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کوئی جسم خاکی بغیر طعام کے نہیں رہ سکتا تو پھر حضرت مسیح کیوں کر اب تک بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں۔ ناظرین اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جسے طعام (غذا) کی حاجت نہ ہو۔ مگر آیت میں یہ کہاں ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جو فلاں مدت تک بغیر طعام کے زندہ نہ رہ سکے اور جب یہ نہیں تو مرزا صاحب کے لئے یہ دلیل بھی نہیں۔ مرزا صاحب کا خیال ہے کہ جو

☆ حاشیہ [1]: اس فقرہ کے الفاظ درحقیقت، یہی اکیلی، کافی طور پر ناظرین کی توجہ کے لائق ہیں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس اکیلی کے سوا مرزا صاحب کی دیگر مستدلہ آیات در حقیقت مسیح کی موت پر دلالت نہیں کرتیں اور اگر ان کو حقیقت کے خلاف اس مسئلہ کی دلیل بنایا بھی جائے تو وہ کافی طور پر دلیل نہیں کہلا سکتیں۔ ناظرین یہ کیسا صاف اقرار ہے کہ مرزا صاحب کے دل میں باقی ۲۹ آیتیں ان کے مذہب کی تائید پر نہیں قضی الرجل علی نفسہ یاد رکھو کہ یہی حصر کے لئے آتا ہے، اکیلی نے اس کو اور بھی پرزور کر دیا۔

شخص اُن کی طرح ہرروز دو وقت کھانا نہ کھاتا ہو، وہ مردہ ہے۔ اگر یہی صحیح ہے تو فرنچ قوم کے نزدیک جو دن میں آٹھ دفعہ کھاتے ہیں کل ہندوستان مردہ ہے۔ اور جو جینی، بودھ پچاس پچاس روز کا برت رکھتے ہیں وہ مردہ درگور ہیں۔ ناظرین آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کسی جسم کا ایک خاص مدت معیّن تک اکل وشرب سے جدا رہنا نہ تو اُس جسم کے مُردہ ہونے کی دلیل ہوسکتا ہے اور نہ اُس جسم کے لوازم جسمانی سے بے نیاز ہونے کی حجت بن سکتا ہے۔ پھر مرزا صاحب کے لئے یہ آیت کیا دلیل ہے۔ مرزا صاحب نے اسی موقع پر حفظ ما تقدم پر کار بند ہوکر لکھا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اصحاب کہف بھی تو بغیر طعام کے زندہ ہیں تو میں کہتا ہوں اُن کی زندگی بھی اس جہان کی زندگی نہیں۔ مسلم کی سو برس والی حدیث اُن کو بھی مار چکی (ازالہ ص ۶۰)

اُن کو واضح رہے کہ اگر مسلم کی حدیث اُن کو مار چکی ہے تب بھی ہماری دلیل قائم ہے۔ قرآن مجید اس امر کا گواہ ہے کہ وَ لَبِثُوا فِیْ کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوا تِسْعًا اصحاب کہف ۳۰۹ برس تک اسی معمورۂ دنیا کے ایک پہاڑ میں اکل وشرب کے بغیر زندہ رہے اور ۳۰۹ برس بعد ان کو طعام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اُن میں سے ایک اُس وقت طعام لینے کو پہاڑ سے نکلا۔ مرزا صاحب غور کریں کہ جس طرح پر تحقیقات حکماء کو جن کا یہ قول ہے کہ زیادہ سے زیادہ ابن آدم ۷۰ دن تک بلا طعام زندہ رہ سکتا ہے، ۳۰۹ برس نے غلط ثابت کردیا۔ اسی طرح مسیح کا دو ہزار برس تک بغیر طعام کے رہ سکنا اور پھر اکل وشرب کی ضرورت کا محسوس کرنا ثابت ہوگیا۔ اگر آپ کی سمجھ میں اب تک یہ بات نہیں آتی تو پہلے تھوڑی سی غلط فہمی کا اقرار کیجئے اور دوسری دلیل کو سماعت فرمایئے، شاید آپ یہ جانتے ہیں کہ طعام کا لفظ زبان شرع میں صرف نباتاتی اور زمین کی روئیدگی یا حیوانی غذا کے لئے آتا ہے اور یہی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ آپ یاد رکھیں کہ زبان شرع میں اُن انوار و برکات کو بھی طعام کہا گیا ہے جو خواص بشر کی جسمانی اور روحانی تربیت ایسی ہی کرتے ہیں جیسے دیگر ماکولات اور روئیدگی زمینی عوام کی تربیت جسمانی کے کام آتی

ہیں۔ روزہ طی کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ایکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی (متفق علیہ) میں تمہاری طرح نہیں (کہ ماکولات میری حیات کا ذریعہ ہوں) میں رات کاٹتا ہوں اور میرا خدا مجھ کو طعام کھلا دیتا ہے اور سیراب کر دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ طعام کا لفظ موجود ہے اور اس طعام کے مربی بدن ہونے کا بھی اظہار ہے مگر دنیا کے ماکولات سے اُس کی نوعیت بھی جدا گانہ ہے کیونکہ اگر طعام ربانی بھی دنیوی ماکولات میں سے ہو تو اس کے کھانے سے تو روزہ باقی نہیں رہتا۔ آنحضرت ﷺ روزہ طی بھی رکھا کرتے اور یہ ربانی اکل وشرب بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر ہر جسم طعام کا محتاج ہے تو یہ ضرور نہیں کہ سب کے لئے طعام بھی یکساں ہو۔ جس طرح ایک گڈریئے اور بادشاہ کے طعام میں اس دنیوی عالم میں بہت بڑا تفاوت ہوتا ہے اسی طرح ضرور ہے کہ سفلی اور کثیف زندگی والوں کا طعام نوعیت میں اور ہو اور علوی ولطیف زندگی والوں کا طعام اور۔ مسیح علیہ السلام نے کہا ہے: لکھا ہے انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے جیتا ہے (متی ولوقا ۴ باب درس ۴) حضرت مسیح علیہ السلام نے ''لکھا ہے'' کے لفظ سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ صحف انبیاء گذشتہ میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح پر مرقوم ہے کہ خاصانِ خدا کے بدن میں کلام ربانی وہی تاثیر پیدا کر دیتا ہے جو عوام کے جسموں میں طعام۔ اسی کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جس کو ابوداؤد اور امام احمد بن حنبل اور طیالیسی نے روایت کیا ہے فکیف بالمؤمنین یومئذ قال یجزیھم ما یجزی اھل السماء من التسبیح والتقدیس (راوی نے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم اب ہی بھوک برداشت نہیں کر سکتے اُس روز جب کہ طعام الدجال کے ہاتھ میں ہوگا) مومنین کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا: جس طرح آسمان پر رہنے والوں کا طعام اور مایۂ حیات اللہ تعالیٰ کا ذکر، تسبیح وتقدیس ہے۔ اسی طرح مومنین بھی سبحان الملك القدوس کا ذکر کریں گے اور یہی ذکر اُن کا طعام اور مایۂ حیات بن جائے گا'' غور سے دیکھو کہ مسیح علیہ السلام جب

اپنے ارشاد میں انسان کا بلا طعام کے کلامِ ربانی کی برکت سے زندہ رہنا تجویز کرتے ہیں تو کیا خود اُن کو یہ منصب حاصل نہیں ہوسکتا پھر دیکھو کہ رسول کریم ﷺ خبر دیتے ہیں کہ اہل السّماء تو عموماً ذکر تسبیح و تقدیس سے زندہ رہتے ہی ہیں مگر اہل ارض میں بھی خدائے تعالیٰ اُس ابتلا کے دنوں میں یہ علوی تاثیر قائم فرمادے گا۔ اب مرزا صاحب کو واضح ہو کہ ہمارے اعتقاد میں حضرت مسیحؑ آسمان پر ہیں اور اس لئے تا نزول وہ بھی اہل السماء میں سے ہیں لہٰذا اُن کا طعام دنیوی طعام نہیں ہوسکتا گو وہ طعام کھاتے بھی ہوں۔ لہٰذا آپ کی متدلہ آیت آپ کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے۔

(۷) ساتویں آیت مرزا صاحب نے وفات مسیح علیہ السلام پر یہ پیش کی ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ﴾

اس آیت کا ترجمہ مرزا صاحب نے بدیں الفاظ کیا ہے۔ ''محمد ﷺ صرف ایک نبی ہیں۔ اُن سے پہلے بہت نبی فوت ہوگئے ہیں۔ اب کیا اگر وہ بھی فوت ہوجائیں یا مارے جائیں تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا جس کی وجہ سے تم دین سے پھر جاؤ''۔

ناظرین قابل غور یہ ہے کہ ترجمہ میں یہ الفاظ ''اُن سے پہلے سب نبی فوت ہوگئے ہیں'' قرآن مجید کے کن الفاظ کا ترجمہ ہیں۔ ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ مگر مرزا صاحب براہ نوازش کسی لغت کی کتاب میں یہ تو دکھلائیں کہ خلت یا خلا بمعنی موت زبان عرب میں آیا بھی ہے؟ آپ اس جگہ صرف اپنے دعویٰ کی تائید میں ایسے مصروف ہوئے ہیں کہ خواہ لغت اور محاورہ آپ کے ترجمہ کی غلطی کو صاف ظاہر کررہا ہو مگر آپ کو اس کی ذرا پرواہ نہیں۔ اچھا صاحب اگر خلت کے معنی فوت ہوجانا ہی ہیں تو آپ اس آیت سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ کا کیا ترجمہ کرتے ہیں۔ کیا یہی کہ وہ سنتِ الٰہی ہے جو تم سے پہلے فوت ہوچکی ہے۔ اگر آپ ایسا ترجمہ کریں گے تو آیت ہذا

کے ساتھ ملے ہوئے الفاظ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا آپ کے اس ترجمہ کی سخت تکذیب کریں گے۔

پس جب آیت مستدلہ میں مرزا صاحب کا ترجمہ ہی غلط ہے تو استدلال کی صحت کہاں رہی۔ مرزا صاحب کے ترجمہ میں اتنے الفاظ سینہ زا ہیں۔ ''تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا'' حالانکہ ان الفاظ کی ضرورت نہ تھی اور نہ کسی الفاظ قرآنی کا ترجمہ ہیں۔

ناظرین کو یہ بھی واضح ہو کہ آیت کا نزول جنگ احد میں ہوا تھا۔ رسول کریم ﷺ اس جنگ میں زخمی ہو کر کش مکش کے اندر ایک غار میں گر پڑے تھے۔ شیطان نے پکار دیا کہ محمد (ﷺ) مارے گئے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کا تمام لشکر (بجز خواص اصحاب کے) بھاگ نکلا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھاتا ہے کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ احکام شریعت کی تعمیل صرف اُس وقت تک کی جاتی ہے جب تک نبی اپنی امّت میں بہ نفس نفیس موجود رہے؟ یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ ذرا خیال کرو کہ کس قدر نبی اور رسول ہو چکے ہیں۔ کیا وہ سب اپنی امت میں موجود ہیں یا اُن کے متبعین نے اپنا دین محض اسی وجہ سے ترک کر دیا ہے؟ اور جب کسی نے بھی ایسا نہیں کیا تو کیا تم ایسا کرو گے۔ پہلے حکمت سے سمجھایا پھر تنبیہ کے لئے زجر آمیز کلمات فرمائے۔ خیال کرو اِس میں وفاتِ مسیح کی کون سی دلیل ہے۔

واضح ہو کہ خلت کا مصدر خلو ہے اور چند معنی میں مستعمل ہے۔ (۱) جدا ہونا یا تنہا ہونا۔ چنانچہ اس آیت میں ہے وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ جب ایک دوسرے کے پاس سے تنہا ہوتے ہیں۔ (۲) ہوتے رہنا۔ چنانچہ اس آیت میں ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا ہوا ہے اور اس آیت میں ہے وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ تم سے پہلے کئی دستور ہوتے رہے ہیں۔ (۳) چلے آنا۔ چنانچہ اس آیت میں ہے سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ یہ سنت الٰہی ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے۔ پس قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

الرُّسُل کا صحیح ترجمہ یہ ہے ''ہوتے رہے ہیں ان سے پہلے رسول''

یہ یاد رکھو کہ خلا اور خلت لغت میں زمانہ کی صفت کے لئے آتا ہے (دیکھو قرون خالیہ۔ مثلاً عرب بولتے ہیں۔ خلت یا خلون من شھر رمضان (رمضان کی فلاں تاریخ گذرے) اور اہل زمانہ کے لئے مجازاً اور اس سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ خلت کا سیدھا اثر رسالت پر ہے نہ رسولوں کے وجود پر۔ لہٰذا آیت قد خلت من قبله الرسل کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی بہت رسول رسالت کر چکے ہیں۔ تبلیغ احکامِ رسالت کر چکنا متضمن اس امر کا نہیں کہ سب کے سب مر بھی چکے ہیں، گو ان میں سے اکثر مر بھی چکے ہوں۔ مثلاً (بلاتشبیہ) کوئی اخبار ہندوستان کے نو وارد وائسرائے وگورنر جنرل لارڈ ایلچن کو مخاطب کر کے کہے کہ آپ سے پہلے بھی بہت لارڈ وائسرائی کر چکے ہیں تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ لارڈ نارتھ بروک، رپن، ڈفرن، لینسڈ ون جواب تک زندہ صحیح سالم ولایت میں موجود ہیں، یہ سب مر بھی گئے، گو ان میں سے لارڈ لٹن مر بھی گیا ہو اور لارڈ میو قتل بھی ہو چکا ہو۔

ناظرین بلاغت قرآنی سمجھنے کے لئے یہ غور کرنا چاہئے کہ خلت کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ مقتضائے مقام اور بظاہر تناسب کلام تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا قد ماتوا او قتلوا من قبله الرسل افان مات او قتل (محمد ﷺ سے پہلے جتنے رسول تھے یا وہ مر گئے یا قتل ہو گئے پھر اگر آپ بھی قتل ہو جائیں یا مر جائیں) مگر ایسا نہیں فرمایا۔ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ وجہ یہ ہے کہ مفرورین پر حجت بھی قائم ہو جائے اور آنحضرت سے پہلے رسولوں اور نبیوں کے زمانِ رسالت کے منقضی ہونے کی خبر بھی دی جائے اور حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی حیات پر دلیل بھی قائم رہے۔ ایها الناس تفکروا۔

اس تمام بیان سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لشکر مسلمین پر جو دلیل قائم کی ہے وہ صحیح و درست ہے۔ مگر جو مطلب مرزا صاحب ان الفاظ میں

ڈھونڈھتے ہیں اُسے پاش پاش کرنے کے لیے عرب کا لغت اور قرآن کریم کا اسلوب شمشیر بکف کھڑے ہیں۔ تعالیٰ الله عن ذلك۔

(۸) مرزا صاحب نے آٹھویں آیت یہ پیش کی ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ اور بہت صحیح لکھا ہے کہ آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سنت اللہ کے نیچے داخل ہیں، نہ کوئی موت سے بچا ہے اور نہ آئندہ بچے گا۔

مگر ناظرین غور کریں کہ اس کو وفاتِ مسیح سے کیا علاقہ ہے۔ اب رہی اس آیت سے مرزا صاحب کی یہ وجہ استدلال کہ خلود کے مفہوم میں داخل ہے، ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہنا اور نفی خلود سے ثابت ہے کہ ہر شخص کی حرکت موت کی طرف ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم بوجہ امتداد زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کے فوت ہو گیا''۔ یہ بالکل مرزا صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔ امتداد زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کا نام وہ شخص لے سکتا ہے جس کا مذہب یہ ہو کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر تو گئے تھے مگر شیخ فانی ہو کر اور امتدادِ زمانہ سے ضعفِ ہرم وغیرہ میں آ کر پھر فوت ہو گئے۔ جب آپ کا مذہب ہی یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر نہیں گئے تو یہ آپ کے سینہ زا شاعرانہ الفاظ بھی آپ کی دلیل نہیں بن سکتے۔ بسم اللہ آپ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر جانا تسلیم فرمایئے اور پھر یہ وجہ استدلال پیش کیجئے۔ واذ لیس فلیس۔ اب میں مرزا صاحب سے یہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی حد بطور کلیہ قاعدہ کے آپ کو معلوم ہے کہ جب کوئی بنی آدم اُس حد کو پہنچ جائے تو وہ شیخ فانی بھی ضرور ہی ہو جائے اگر معلوم ہو تو براہِ مہربانی بیان فرمائیں تا کہ درایۃً وروایۃً اُس کی جانچ پڑتال کر لی جائے۔ ناظرین خوب یاد رکھیں کہ اس کا جواب مرزا صاحب کچھ نہیں دے سکتے اور اسی لئے نہ وہ اس آیت سے استدلال ہی کر سکتے ہیں اور نہ اُن کی وجہ استدلال درست ہی ہو سکتی ہے۔

(۹) نویں آیت وفات مسیح پر مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے تِلْكَ

اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ الخ اس آیت کا صرف ترجمہ ہی کر گئے ہیں اور وجہ استدلال وغیرہ کچھ تحریر نہیں کی۔ ہاں ترجمہ میں یہ الفاظ ضرور لکھ دیے ہیں ''یعنی اس وقت سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہوگیا''۔

ناظرین آپ بخوبی اور با آسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کے یہ الفاظ ''اِس وقت سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں'' کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ غالبًا تلك کا ترجمہ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے یہ جو اسم اشارہ ہے۔ اب اگر تم اس کا مشار الیہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو قرآن شریف کھول کر دیکھ لیجئے کہ کون سے نام اس سے پہلے آیت میں آ چکے ہیں (اس سے پہلی آیت کی تخصیص ہم نے اس لئے کر دی ہے کہ تلك اشارہ قریب کے لئے ہے) ناظرین دیکھیں کہ اس سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ـ﴾

ترجمہ! تم کیا کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصاری تھے کہہ دیجئے تم زیادہ جانتے ہو یا خدا۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو شہادت کو چھپاتا ہے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں۔ یہ ایک امت تھی جو گذر چکی'' خلت کے لفظ پر بحث میں ساتویں آیت میں کر آیا ہوں۔ اعجاز قرآن ہے کہ آیت میں عیسیٰ کا نام نہیں۔

(۱۰) دسویں آیت وَاَوْصَانِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا پیش کی ہے اور پھر لکھا ہے اس کی تفصیل ہم اسی رسالہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کی لئے حضرت عیسیٰ کو وصیت کی گئی تھی۔ وہ آسمان پر عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں اور حضرت یحیٰ ان کی نماز کی حالت میں اُن کے پاس یوں ہی پڑے رہتے ہیں۔ ''مردے جو ہوئے'' اور جب

دُنیا میں حضرت عیسیٰ آئیں گے تو برخلاف اُس وصیت کے اُمتی بن کر مسلمانوں کی طرح نماز پڑھیں گے (ازالہ ۷۔۶)

مرزا صاحب کا یہ بیان سقم اور غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اِس آیت سے وفاتِ مسیح پر مرزا صاحب کی وجہ استدلال ازالہ میں یہ ہے کہ حضرت مسیح نے تا حیات خود صلوۃ اور زکوٰۃ کا ادا کرنا فرائض میں شمار کیا ہے۔ اگر وہ زندہ ہیں تو ان کا زکوٰۃ دینا ثابت کرو۔ ورنہ وہ مردہ ہیں۔ اس تقریر میں متانت مثلیت اور وقارِ مہدویت کو بالائے طاق رکھ کر مرزا صاحب نے شوخانہ استہزاء بھی کیا ہے اور دریافت کیا ہے کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ زکوٰۃ کہاں سے دیتے ہوں گے اور کون لیتا ہوگا۔

(۱) واضح ہو کہ کل نبیوں پر جیسا کہ زکوٰۃ کا لینا حرام ہے ویسا ہی دینا بھی حرام ہے۔..... کیونکہ اُن کا کل مال خدا کی راہ میں وقف ہوتا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اوصانی کیوں کہا یہ بطور تعلیم ارکان شریعت کے ہے۔ کیونکہ جب فرمایا ﴿آتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾ خدا نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا تو ساتھ ہی اپنی شریعت کے ارکان بھی ظاہر کر دیے (۲) زکوٰۃ سے مراد اس جگہ زکوٰۃ مال نہ ہو بلکہ زکوٰۃ نفس ہو۔ قرینہ اس پر روح القدس کا حضرت مریم کو کہنا ہے لِاَھَبَ لَکِ غُلَامًا زَکِیًّا ظاہر ہے کہ اس جگہ زکیا کے معنی زکوٰۃ مال نکالنے والا نہیں بلکہ صاحب زکوٰۃ وطہارت ہیں۔

بیضاوی میں ہے واوصانی وامرنی بالصلوۃ والزکوۃ زکوٰۃ المال ان ملکتہ او تطھیر النفس عن الرزائل زکوٰۃ سے زکوٰۃ مال مراد ہے کہ جب صاحب نصاب ہوں ورنہ نفس کو رزائل سے پاک صاف رکھنا بھی زکوٰۃ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کے حق میں فرمایا ہے وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً۔ ہم نے اس کو لڑکپن ہی میں حکم، نرم دلی اور پاکیزگی عنایت کی۔ یہاں لفظ زکوٰۃ خصوصیت سے بمعنی پاکیزگی ہے۔

(۳) زکوٰۃ تو اہل نصاب پر فرض ہے اگر مرزا صاحب حضرت مسیح کا اس دنیا میں زکوٰۃ دینا ثابت کردیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر زکوٰۃ دینا بھی ثابت کردوں گا۔

مرزا صاحب کی اس بیان میں دوسری غلطی یہ ہے کہ اُن کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کی وصیت کی گئی تھی۔ ''وہ عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں''۔ اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ ان کو معنیٰ نبوت معلوم نہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جن کی قرآن دانی اور اسرار فہمی کی توصیف مرزا صاحب نے ازالہ میں کی ہے، کا مذہب یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہر اور باطن پر یکساں ہوتا ہے مگر آپ تو نبوت کو بھی ظاہر اور باطن کے لئے نہیں سمجھتے۔ ہمارے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ تو جس طرح پر تمام کافہ ناس کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ اسی طرح جن و ملک کی طرف بھی۔ کوئی ذوی العقول متنفس ایسا نہیں خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی جس پر آپ کے احکام اور شرائع و مناہج کی پیروی واطاعت فرض نہ ہو اور آپ کی رسالت کے بعد سابقہ شرائع و احکام پر چلنا حرام نہ ہوگیا ہو۔ پس جب حالت یہ ہے تو آپ کا یہ خیال کرنا کہ اب وہ انجیلی طریق پر نماز پڑھتے ہیں اور نزول کے بعد برخلاف وصیّت مسلمانوں کی طرح پڑھیں گے۔ معنی رسالت کے نہ سمجھنے ہی پر محمول ہوسکتا ہے۔ مرزا صاحب دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ﴾

''جب خدا نے نبیوں سے اقرار لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر جب تمہاری طرف رسول موعود آئے جو تمہاری سچائی ظاہر کرے گا تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا''۔

اب سمجھ لو کہ مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ کا نماز پڑھنا برخلاف وصیت

نہیں بلکہ موافق میثاق ازلی ہے۔ اس معنی کی طرف صحیح مسلم کی حدیث عن ابی ہریرہ میں اشارہ و دلالت ہے کہ آنحضرتؐ نے موسیٰ، عیسیٰ، ابراہیم علیہ السلام کا امام بن کر نماز پڑھائی۔

تیسری غلطی اس بیان میں مرزا صاحب کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھتے ہوں گے اور حضرت یحییٰ پاس پڑے رہتے ہوں گے۔ ''مردہ جو ہوئے۔'' یہ غلطی بھی درجہ انبیاء سے عدم معرفت کی وجہ سے ناشی ہوئی ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ گو مر جانے کے بعد تکلیف احکام سے انسان سبکدوش ہو جاتا ہے مگر انبیاء اللہ جن کے جسم میں عبادتِ الٰہی بمنزلہ روح کے ہے جن کے دل میں محبت ربانی بجائے حرارت عریزی کے ہے۔ وہ مر جانے کے بعد بھی طاعات میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث عن ابن عباس میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی ارزق میں پہنچے تو فرمایا: میں نے اس وادی میں موسیٰ علیہ السلام کو کانوں میں انگلیاں دیے، لبیک لبیک پکارتے، گذرتے دیکھا ہے۔ جب ہرشہ میں پہنچے تو فرمایا میں نے یونس علیہ السلام کو جُبہ صوف (لباس احرام) پہنے، اونٹنی پر سوار اس وادی سے گذرتے دیکھا ہے۔ صحیح مسلم عن ابی ہریرہ کی حدیث میں حضرت ابراہیم و موسیٰ کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت یحییٰ پڑے ہی نہیں رہتے بلکہ وہ بھی حضرت عیسیٰ کی طرح نماز پڑھا کرتے ہیں۔

ناظرین بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ آیت بھی مرزا صاحب کے دعویٰ کے لیے کچھ مفید نہیں اور آیت کو وفات مسیح سے ذرا تعلق نہیں۔ نیز دعویٰ اثبات وفات مسیح کے علاوہ دیگر زوائد جو مرزا صاحب نے لکھے تھے، ان کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔

(۱۱) گیارہویں آیت یہ ہے:

﴿وَسَلَامٌ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ اس آیت میں واقعات عظیمہ جو حضرت مسیح کے

وجود کے متعلق تھے، صرف تین بیان کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعات صحیحہ میں سے ہیں تو ان کا بیان بھی ضروری تھا۔ کیا نعوذ باللہ رفع اور نزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلام الٰہی کا نہیں ہونا چاہیے تھا''۔

میں مرزا صاحب کے ان فقرات کو بار بار حیرت اور تعجب سے دیکھتا ہوں کہ وہ اسرار دانی اور قرآن فہمی کہاں ہے۔ کیا کسی شے کا کسی جگہ مذکور نہ ہونا اس کے عدم وجود کی بھی دلیل ہوسکتی ہے۔ صحیحین بلکہ صحاح ستہ میں بیسیوں ایسی احادیث ملیں گی کہ سائل نے آ کر رسول کریم ﷺ سے اسلام کا سوال کیا اور آنحضرت ﷺ نے بیان ارکان میں کبھی کلمہ شہادت، کبھی زکوٰۃ کبھی حج کو بیان نہیں فرمایا تو کیا مرزا صاحب مجرّد اُن احادیث پر اکتفا کر کے ان ارکان اسلام کے رکن ہونے سے انکار کر جائیں گے؟ اگر نہیں تو یہاں بھی وہی عمل کریں۔ دوم مرزا صاحب کو یاد کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح کا یہ کلام اس وقت کا تھا جب مریم صدیقہ ان کو جن کر گود میں لے کر قوم میں آئی تو کیا ضرور ہے کہ حضرت مسیح اسی وقت اپنی زندگی کے مفصّلانہ کل واقعات عظیمہ سے واقف بھی کیے گئے ہوں۔ بلکہ قرآن کریم اس امر کا شاہد صادق ہے کہ رفع کی خبر حضرت کو حالت نبوت میں دی گئی تھی۔ پڑھو:

﴿يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾

اور یاد کرو کہ مرزا جی نے بھی اس کو وعدۂ وفات تسلیم کرلیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ﴿سَلَامٌ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ﴾

اُسی قبیل کا جملہ ہے۔ جیسے الحمد لله اوله وآخره یا بسم الله اوله وآخره جو ابتداء سے لے کر آخر تک کی تمام حالتوں پر شامل ہے۔

اب اگر ان فقرات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تو سَلَامٌ عَلَيَّ پر کیوں ہے۔ ہمارے نزدیک رفع اور نزول حضرت مسیح دونوں مورد اور محل سلام الٰہی کے ہیں۔ اور اسی لیے دو سلامتیوں کے اندر اور وسط میں واقع ہوئے ہیں۔ ہاں مرزا صاحب جو ان الفاظ کا درمیانی واقعات پر اثر انداز نہ ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کو

اس امر کا ضرور جواب دینا چاہیے کہ جب بقول ان کے مسیح علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے۔ ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھوں کی گئیں اور ان اذیتوں اور تکلیفوں کے بعد دروازہ مرگ پر پہنچ کر پھر وہ بچ رہے تو کیا ان کی یہ جان بری مورد اور محل سلام الٰہی کا نہ تھی۔ کیا مسیح کا صحیح وسلامت رہنا ربانی سلامتی کے بغیر تھا۔ اگر ایسے دشمنوں کے نرغہ میں سے ایسے برصلیب کشیدہ کے سلامت رہنے کو تم سلام الٰہی تسلیم نہیں کرتے تو اور کسے کرو گے لیکن اگر تسلیم کرتے ہو تو بتاؤ کہ آیت میں ایسی نہایت ہی حیرت بخش جان بری اور ایسی آفت کے بعد سلامتی کا ذکر کیوں نہیں؟ میں چاہتا تھا کہ آیت کے بعض اسرار اور معارف کو یہاں درج کرتا۔ مگر مرزا صاحب کے استدلال کا بودا ہونا اسی سے ثابت ہو گیا ہے۔ ناظرین کو معلوم رہے کہ مرزا صاحب اپنے اس بیان میں مدعی وفات مسیح ہیں۔ مدعی کا کام الزامی دلائل بیان کرنا نہیں ہوتا اور جو ایسا کرتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اس آیت کے ضمن میں مرزا صاحب کی ساری تقریر الزامی ہے۔

(۱۲) بارھویں آیت:

﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا الخ﴾

مرزا صاحب فرماتے ہیں یہ آیت بھی مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اگر زیادہ عمر پائے تو دن بدن ارزل عمر کی طرف حرکت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بچے کی طرح نادان محض ہو جاتا ہے۔ اور پھر مر جاتا ہے۔"

ناظرین کو واضح ہو کہ یہ آیت مرزا صاحب کی تب دلیل ہے، جب وہ مسیح علیہ السلام کا زیادہ عمر پانا تسلیم کر لیں۔ مگر اس کے ساتھ رَفَعَ اِلَى السَّمَاءِ بھی ملا ہوا ہے۔ یہ بھی مرزا صاحب کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

۲- مرزا صاحب کو لازم ہے کہ وہ ایک حد قرار دیں کہ جب عمر کے فلاں سال

تک کوئی انسان پہنچے گا تو وہ ضرور ہی ارزل عمر میں داخل ہو جائے گا۔ قرآن کریم تو اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو برس تک دعوت کی۔ نبوت حاصل ہونے سے پہلے کی عمر اور دعوت کے بعد طوفان آنے اور بعد از طوفان آپ کے زندہ رہنے کی عمر ان ساڑھے نوصدیوں کے علاوہ ہے۔ پھر رب کریم کا یہ کلام پاک ہم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ سینکڑوں سالوں کے وہ تغیرات و انقلابات (جن سے قومیں مفقود ہو جاتی ہیں، خرابہ آباد اور آباد خرابہ بن جاتے ہیں سلطنتیں بدل جاتی ہیں، بولیاں تبدیل ہو جاتی ہیں) بعض جسموں پر اسی طبقہ ارض کی موجودگی کی حالت میں اتنا اثر بھی نہیں ڈال سکتے کہ وہ اتنا بھی معلوم کرلیں کہ اس طبقہ ارض پر اور اس حصہ ملک میں کبھی کوئی تغیر آیا بھی تھا؟ اور کسی قسم کا انقلاب ہوا بھی تھا یا نہیں؟ وہ سینکڑوں برسوں کا ممتد زمانہ اور دراز عرصہ ان کی نگاہ میں ایسا قلیل نظر آیا کرتا ہے کہ یہ خاصان خدا اُسے ﴿ يَوْماً اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ﴾ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ [۱] کیا مرزا صاحب کے نزدیک یہ بیانات ہدایت اور نور نہیں ہیں؟ کیا انسان ضعیف البنیان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ تحکم کی راہ سے یہ قرار دے کہ جو کچھ آج کل ہو رہا ہے، رب کریم نے نہ کبھی اس سے تجاوز فرمایا ہے اور نہ فرمائے گا۔ کیا اُن کو لقمان ذوالنشور کا حال معلوم نہیں جس کی عمر دو ہزار سال کی تھی۔ کیا ان کو عمرو معدیکرب کی تاریخ پر نظر ہے۔ جو دوسو پچاس سال کی عمر میں ایرانیوں کے بیسیوں جنگ آزما، عربدہ جو فیلوں کو تلوار سے کاٹ کاٹ کر پھر شہید ہوا تھا؟ کیا مرزا صاحب کا حق ہے کہ وہ ارزل عمر کی بھی حد سنین کا تعین کر کے اپنی طرف سے خود ہی مقرر کر دیں۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ اَيُّهَا النَّاسُ.

(۱۳) تیرہویں آیت:

﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾

لکھ کر پھر مرزا صاحب نے تحریر کیا ہے۔ یعنی تم اپنے جسم خاکی کے ساتھ

☆ حاشیہ: [۱]: ان فقرات میں قصہ اصحاب کہف کی طرف تلمیح ہے۔۱۲

زمین پر ہی رہو گے۔ یہاں تک کہ اپنے تمتع کے دن پورے کر کے مر جاؤ گے۔'' اس کے بعد تحریر کیا ہے۔ یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر جانے سے روکتی ہے۔ کیونکہ لکم جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے اس بات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر جا نہیں سکتا۔ بلکہ زمین ہی سے نکلا اور زمین ہی میں رہے گا اور زمین ہی میں داخل ہوگا۔'' (ازالہ ص:۶۰۹)

ناظرین دیکھیں۔ ترجمہ میں جسم خاکی اور ''مر جاؤ گے''۔ کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ مرزا صاحب لکم کو مفید تخصیص جانتے ہیں اور قرآن مجید کا سیاق کلام شاہد ہے کہ آیت کے مخاطب ابلیس و آدم وحوا ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ ﴾

''پس شیطان نے آدم وحوا دونوں کو پھسلا دیا۔ اور بہشت سے جہاں وہ رہتے تھے، ان دونوں کو نکال دیا اور ہم نے کہا تم اترو بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا اور فائدہ ہے'' اَزَلَّهُمَا میں تثنیہ ہے اور ذکر شیطان کے بعد ضمائر جمع مرزا صاحب لَكُمْ کو جو ضمیر خطاب اور اعرف المعارف ہے، جب مفید تخصیص تسلیم کر چکے تو پھر ان کا مخاطبین نے سوا اوروں سے مراد لینا ان کی تسلیم کے خلاف ہے۔ بالفرض اگر آیت کے یہ معنی ہیں کہ مخاطبین زمین سے اٹھ کر آسمان پر نہ جا سکیں تو یہ کہاں سے مرزا جی نے نکال لیا کہ جو لوگ خطاب کے وقت ہنوز کتم عدم میں مستور تھے وہ بھی اسی حکم میں شامل و داخل ہیں۔ اس کی دلیل انہوں نے کچھ نہیں دی بلکہ لَكُمْ کو مفید تخصیص مان کر اپنے دعوی کو ضعف پہنچایا۔

۲- اگر بلا کسی دلیل کے مان لیا جائے کہ لَكُمْ میں ابلیس اور آدم کے سوا ان کی ذریات بھی شامل ہیں۔ تب بھی آیت بالا مفید معنی مقصود مرزا صاحب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب ثابت ہو چکا کہ لَكُمْ میں ابلیس و آدم وحوا کی طرف خطاب ہے تو قرآن

مجید کے بیسیوں مقامات سے یہ ثابت اور واضح ہے کہ شیاطین آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں اور ملائک سے قریب ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ شہاب ثاقب ان کے پیچھے لگ کر ان کو خاک کر دیتا ہے۔ بقول مرزا صاحب آیت کا اثر مخاطبین پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ یہ سب زمین سے اونچے اٹھ نہ سکیں۔ فضا میں جا نہ سکیں۔ مگر شیاطین کا چڑھ جانا دیگر آیات سے معلوم ہو گیا۔ اور آیت متدلہ ان کے لیے مانع نہ ہوئی اب مرزا صاحب فرمائیں کہ یہ آیت انبیاء خدا کے لیے آسمان پر جانے سے کیوں مانع ہے۔

۳۔ مستقر کا ترجمہ ٹھیک ہیڈ کوارٹر ہے۔ جس کو صدر مقام بھی بولتے ہیں۔ عربی زبان کی تاریخوں میں اسی لیے تخت گاہ کو مستقر الخلافہ لکھا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا اپنے ہیڈ کوارٹر میں موجود ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ دوسری جگہ جا نہیں سکتا۔ علی ہذا اس کا ہیڈ کوارٹر سے علیحدہ ہونا بھی اس امر کا ثبوت نہیں کہ اس کو اپنے صدر مقام سے اب کوئی مناسبت نہیں رہی۔ سید الانبیاء محمد مصطفےٰ ﷺ بھی بشر تھے۔ جو شب معراج کو بالائے سدرۃ المنتہی تشریف لے گئے تھے۔ اگر آنحضرت کے لیے یہ آیت مانع نہ ہوئی تو حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے بھی نہیں ہو سکتی۔ معراج جسمانی کا ثبوت اس مضمون میں آگے آئے گا۔

۴۔ مرزا صاحب نے الی حین کا ترجمہ ''یہاں تک کہ مر جاؤ گے۔'' کیا ہے مگر وہ کسی لغت کی کتاب سے حین کے معنی موت ثابت نہ کر سکیں گے۔ حِیۡـن۔ کے معنی وقت کے ہیں۔ اور اسی لیے الی حین کا ترجمہ ایک وقت تک ہیں۔ ہر شخص کے لیے استقرار فی الارض کا ایک معین عرصہ رب کریم نے مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک وقت تک زمین پر رہے اور جب ﴿مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ کا وعدہ پورا ہونے کو آیا تو وہ آسمان پر تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ الی حین کے یہ معنی ہیں کہ اگر ایک وقت زمین پر ہے تو دوسرے وقت زمین پر سے اٹھ کر چلا بھی جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی جسم کا بھی بوجہ جسم ہونے کے آسمان پر جانا محال نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ رب کریم اس جسم کو آسمان پر لے جانا چاہے یا نہ

چاہے۔ حضرت عیسیٰ کے لیے آسمان لے جانے کا اظہار اس نے خود فرمایا اور خود ہی اپنے منشا کو پورا فرمایا۔

بالفرض مرزا صاحب نے زور لگا کر حِیۡن. بمعنی موت ثابت بھی کر دیا۔ تب اور بھی زیادہ ان کے معنی قابل اعتراض ہو جائیں گے۔ یعنی اس وقت ترجمہ آیت یہ ہوگا اور تمہارے لیے زمین میں استقرار اور فائدہ [1] موت تک ہے۔ جس سے یہ نکلا کہ موت کے بعد اموات کی لاشیں زمین سے اٹھائی جاتی ہیں۔ قبروں میں نہیں دبائی جاتیں۔ بلکہ وہ فضا میں چلی جاتی ہیں۔ اس معنی کا غلط ہونا پُر ظاہر ہے۔ اس وقت آپ کو حِیۡن کا ترجمہ مجبوراً وقت کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ شاہ رفیع الدینؒ وشاہ عبد القادرؒ نے کیا ہے۔ غرض بہر صورت آپ کے استدلال کا بُودا اور کمزور اور غلط ہونا ظاہر ہو گیا اور کھُل گیا کہ گو آپ نے آیت کا ترجمہ بھی غلط کیا اور اپنی طرف سے الفاظ بھی زیادہ کیے مگر ایں ہمہ مساعی پھر بھی مرزا صاحب حصول مرام میں ناکامیاب ہی رہے۔

(۱۴) چودھویں آیت ﴿وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ اگر مسیح ابن مریم کی نسبت فرض کیا جائے کہ اب تک جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک مدت دراز سے ان کی انسانیت کے قوی میں بکلی فرق آ گیا ہوگا اور یہ حالت خود موت کو چاہتی ہے۔ (ازالہ ص ۶۱۰)

مرزا صاحب کے اس وجہ استدلال کا جواب میں آٹھویں اور بارہویں آیت کے تحت میں لکھ آیا ہوں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ میں بار بار یہی عرض کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بطور کلیہ قاعدہ کے عمر کے وہ مقدار قرار دیں جس کو ارزل عمر کہہ سکیں اور جس پر تنکیس فی الخلق صحیح ثابت ہو سکے۔ ہم توریت وغیرہ کتابوں میں لکھا

☆ حاشیہ: [1]: اگر یہ جواب ہو کہ موت کے بعد جسم گو زمین میں ہی رہتے ہیں۔ مگر ان کو زمین سے کچھ فائدہ نہیں ملتا تو اس کے رد میں آیت ثُمَّ اَقْبَرَهٗ اور آیت اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا پر نظر کرو۔

دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم کی ۹۳۰ برس۔ حضرت شیث کی ۹۱۲۔ حضرت نوح ۱۰۰۰۔ حضرت ادریس ۳۶۵۔ حضرت موسیٰ ۱۲۰، حضرت ابراہیم ۱۷۵ سال کی عمریں تھیں اور بااین ہمہ ان کے انسانیت کے قویٰ میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ اصحاب کہف کا قصہ پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض انسانی جسموں کو صدیوں کے زمانہ کا اثر محض اتنا ہوتا ہے جتنا ہم لوگوں پر ۶ گھنٹے یا ۱۲ گھنٹے یا ۲۴ گھنٹے یا ۴۸ گھنٹے گذر جانے سے۔ اگر ناظرین اور مرزا صاحب کے نزدیک ایک ۳۳ سال کا جوان شخص ایسا پیر ہرم اور شیخ فانی ہوسکتا ہے کہ اس کی قوت جسمانی اور قویٰ بشری بالکل ہی اسے جواب دے جائیں تو حضرت مسیح کی نسبت بھی مرزا صاحب کو ایسا خیال باندھ لینے کا حق ہے لیکن اگر یہ ایک قابل تمسخر بات سمجھی جائے کہ کوئی نوجوان شخص معمولی قاعدہ انحطاط بدنی کے لحاظ سے ۴۸ گھنٹہ میں شیخ فانی ہوسکے تو یقیناً حضرت عیسیٰ کا پیر ضعیف ہوجانا بھی غلط ہے۔

حکیم نور الدین صاحب جو فصل الخطاب میں مان چکے ہیں کہ الہامی زبان میں ایک یوم ایک سال کو کہتے ہیں وہ اس بیان سے زیادہ تر فائدہ حاصل کرسکتے ہیں کہ وحی ربانی میں ۳۰۹ برس کو ایک یوم یا ایک یوم کا حصہ کہا گیا ہے ان کو اربعہ لگالینا چاہیے کہ جب الہامی زبان میں ۳۰۹ برس برابر ہیں ایک دن کے تو دو ہزار برس کتنے دن کے برابر ہوتے ہیں یہ سوال حل کرنے سے پہلے یہ بھی غور فرمالینا چاہیے کہ ۳۰۹ برس کا بعض یوم کے برابر ہونا تو اسی طبقہ ارض پر ثابت ہے۔ مملکت آسمانی کا حساب اس سے نرالا ہے۔ رب کریم قرآن مجید میں فرماتا ہے ﴿اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ ''جس کو تم ہزار سال شمار کرتے ہو۔ وہ پروردگار کے ہاں ایک یوم ہے'' اب مرزا صاحب حساب لگائیں کہ...... عیسوی سال کتنے دن کے برابر ہوئے۔ پھر ان کو پیر ہرم اور ضعیف القویٰ ہوجانے کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔

واضح ہو اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ کو مرزا صاحب نے ازالہ ص ۴۹۶ پر درج کیا ہے اور اس حساب سے روز ششم کو الف ششم کا قائمقام بتا کر اپنی پیدائش اس

میں ثابت کی ہے۔ اس لیے اب مرزا صاحب اس حساب سے انکار نہیں کر سکتے۔

(۱۵) پندرہویں آیت ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفاً وَشَيْبَةً﴾

ترجمہ! خدا وہ ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا۔ پھر ضعف کے بعد قوت دے دی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرانہ سالی دی۔''

ترجمہ کے بعد مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''یہ آیت بھی صریح طور پر اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ کوئی انسان اس قانون قدرت سے باہر نہیں۔'' یہ سچ ہے مگر آیت میں مسیح کے مر چکنے کی دلیل اور مرزا صاحب کے بیان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وفات کر جانے کی وجہ استدلال ذرا بھی موجود نہیں۔ اچھا اگر کوئی شخص مشہور کر دے کہ مرزا صاحب کا انتقال ہوگیا اور جب کوئی اس سے پوچھے کہ تم کو کیوں کر معلوم ہوا تو وہ یہی آیت پڑھ دے تو آپ اس کی وجہ استدلال کو کیا کہیں گے۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اس وقت مسیح علیہ السلام ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً﴾ کے مصداق حال ہیں۔ نزول بر زمین کے بعد ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفاً وَشَيْبَةً﴾ کی حالت اُن پر طاری ہوگی۔

(۱۶) سولہویں آیت وفات مسیح پر مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے:

﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ﴾

اور لکھا ہے کہ کھیتی کی طرح انسان پیدا ہوتا ہے۔ اول کمال کی طرف رخ کرتا ہے پھر اس کا زوال ہوتا ہے۔ کیا اس قانون قدرت سے مسیح باہر رکھا گیا ہے؟

کاش مرزا صاحب اس مثال سے ہی فائدہ اٹھاتے اور سمجھتے کہ سب روئیدگی کی قسمیں زمین سے اگنے، کمال تک پہنچنے اور بڑھنے اور پھر زوال کی

جانب مائل ہوکر خشک ہونے میں درجہ مساوی نہیں رکھتیں۔ چینا ان ہرسہ مراتب کو دو ماہ میں طے کرلیتا ہے اور نیشکر کو کمال تک پہونچنے کے لیے ۱اماہ کا عرصہ درکار ہے۔ سن اور ہالوں کا بیج چند پہر میں زمین سے اُگ آتا ہے اور گنوارے اور کھنڈی کا بیج سال بھر تک زمین میں جوں کا توں پڑا رہتا ہے۔ افسوس کہ آپ حارث وحراث ہونے کے دعویدار ہوکر بھی ان مثالوں سے بہت کم مستفید ہوتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ مسیح اس قانون قدرت سے باہر نہیں مگر اس قانون میں مساوات شخصی نکال کر آپ دکھا دیجیے۔

(۱۷) سترہویں آیت ہے: ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ﴾ وجہ استدلال میں مرزا صاحب کے پاس وہی پرانے لفظ ہیں۔ ''یعنی اول رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ تم کو کمال تک پہنچاتا ہے اور پھر تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو۔ یہاں تک کہ مرجاتے ہو۔ یہی قانون قدرت ہے۔ جس سے کوئی باہر نہیں (ازالہ ص ۶۱۱)

ناظرین زبان عرب میں حرف ''ثـــم'' تراخی اور ترتیب کے لیے آتا ہے اور اسی لیے ہم نہایت صدق دل سے گواہی دیتے ہیں والــــذی نـفـســی بیـده لیـوشكن ان ينزل فينا ابن مريم حكماً عدلآ ثم انه بعد ذلك ليموت مرزا صاحب قانونِ قدرت کے موٹے موٹے حروف تو پڑھ لیتے ہیں۔ مگر کیا اچھا ہو کہ اس کی تشریحات بھی ملاحظہ کرلیا کریں۔

(۱۸) اٹھارہویں آیت:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ الخ﴾ تا ﴿اُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (الجزو ۲۳)

اس آیت کے تحت میں مرزا صاحب نے صرف یہ الفاظ لکھے ہیں ان آیات میں بھی مثال کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ انسان کھیتی کی طرح رفتہ رفتہ اپنی عمر کو پورا کرلیتا ہے اور پھر مرجاتا ہے۔''

مرزا جی موتِ مسیح پر اس آیت سے استدلال کی وجہ کچھ نہیں لکھ سکے۔ کھیتی

کی مثال سچ ہے۔ مگر اس مثال میں مرزا صاحب کی غلط فہمی کا اظہار سولھویں آیت کے تحت میں ہم کر چکے ہیں۔

(۱۹) انیسویں آیت یہ ہے:

﴿وَمَـا اَرْسَلْنَـا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ (سورہ فرقان)

اس آیت کا ترجمہ مرزا صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''ہم نے تجھ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور بازاروں میں پھرتے تھے۔'' پھر لکھا ہے۔'' اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب وہ تمام نبی نہ کھانا کھاتے ہیں اور نہ بازاروں میں پھرتے ہیں۔ دنیوی حیات کے لوازم سے طعام کا کھانا ہے چونکہ اب تمام نبی طعام نہیں کھاتے۔ ثابت ہوا کہ وہ سب فوت ہو چکے ہین۔ جن میں بوجہ کلمہ حصر مسیح بھی شامل ہے۔

ناظرین اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُن منکرین نبوّت کے جواب میں نازل فرمائی ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے اور رسالت کو بنظر حقارت دیکھتے اور یوں کہا کرتے تھے:

﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِيْ الْاَسْوَاقِ﴾

''یہ رسول کیسا ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان کی اس بیہودہ گفتگو کے جواب میں بطور تشفی و تسکین قلب فرمایا ہے کہ بازاروں میں پھرنا اور طعام کھانا اگر رسالت کے منافی ہے تو سارے کے سارے پیغمبر ایسے ہی گذرے ہیں۔ جن میں یہ صفات لوگوں نے دیکھے اور معلوم کیے اور بااین ہمہ یہ معترض ان میں سے بعض کی نبوت کا یقین بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً نصاریٰ اور یہود اور عرب کے اکثر قبیلے۔ اب آپ خیال فرمائیں کہ اس میں کونسی دلیل وفات مسیح کی ہے۔

حضرت مسیح کے طعام کھانے یا نہ کھانے کی بحث ساتویں آیت کے تحت

میں ہو چکی۔ مرزا صاحب آپ نے ان تین آیتوں کو دلیل وفات مسیح بنانے میں حصر اور تعمیم سے بہت ہی کام لیا ہے اور یہ دل میں ٹھان لی ہے کہ اگر ایک تعمیم کی دوسری نص تخصیص کر دیتی ہو تو اس تخصیص کا ہرگز اعتبار نہیں کریں گے مگر یہ کاغذ کی ناؤ چلتی نظر نہیں آتی۔

﴿اَوَلَمْ يَرَالْاِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُبِيْنٌ﴾

''کیا انسان نے نہیں دیکھا اور غور کیا کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا اور وہ جھٹ کُھلم کُھلا خصومت رکھنے والا بن گیا''

آیت میں الانسان کل انسانوں پر شامل ہے جس سے کوئی باہر نہیں حالانکہ اسی آیت میں دو جگہ آپ کو تخصیص ماننی پڑے گی۔ اول من نطفه میں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام انسان تھے۔ مگر نطفہ سے پیدا نہ ہوئے تھے۔ دوم خصیم مبین میں کیونکہ ہم یقیناً اور ایمانا جانتے ہیں کہ انبیاء اور صدیقین نہایت فرمانبردار بندے ہوتے ہیں اور کبھی اپنے پروردگار سے خصومت نہیں کرتے۔

۲- مرزا صاحب یہ فرمائیں کہ طعام کھانا اور بازاروں میں پھرنا یہ مرسلین کا لازمِ حال تھا یا منجملہ صفات بشری کے ایک صفت۔ اگر لازمۂ حال تھا تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک نبی اور مرسل نے وقت پیدائش سے لے کر زندگی کی آخری ساعت تک غرض اپنی تمام تر عمر کا کوئی لمحہ کوئی لحظہ کوئی منٹ کوئی سکنڈ ایسا گذرنے نہ دیا ہو کہ وہ بازار میں پھرتے ہوئے اور کچھ نہ کچھ کھاتے ہوئے نظر نہ آئے ہوں۔ غرض کہ ان کا منہ اور ان کے پاؤں ہر وقت چلتے ہی رہتے تھے۔ کیوں کہ مرزا صاحب آپ کے مذہب میں یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ اگر یہی معنی ہیں۔ تو اس کا بطلان نہایت صریح ہے لیکن اگر باوجود آیت کے الفاظ بالا کے یہ معنی آپ نہیں کرتے اور جائز رکھتے ہیں کہ ان کے کھانے اور بازاروں میں پھرنے کے خاص اوقات ہوں اور دیگر اوقات میں اکل طعام اور مشی فی السوق ان میں پایا بھی نہ جاتا ہو تب آیت بالا آپ کے کیا مفید ہے اگر کسی معتکف وصائم کو دیکھ کر کوئی شخص یہ حکم لگا سکتا ہے کہ طعام

کھانے اور بازاروں میں پھرنے کی صفت اس سے جاتی رہی تو اس کے دانشمند ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے۔ کیا مرزا صاحب ان نمونوں سے بھی مستفید نہیں ہوتے۔

(۲۰) بیسویں آیت یہ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾

ترجمہ! ''جو بھی سوائے اللہ کے پرستش کیے جاتے اور پکارے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرسکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں۔ مرچکے ہیں زندہ بھی تو نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

اس کے بعد مرزا صاحب لکھتے ہیں یہ آیتیں کس قدر صراحت سے مسیح اور ان سب انسانوں کی وفات پر دلالت کررہی ہیں جن کو یہود اور نصاریٰ اور بعض فرقے عرب کے اپنا معبود ٹھہراتے تھے۔ اگر اب بھی آپ لوگ مسیح ابن مریم کی وفات کے قائل نہیں ہوتے تو سیدھے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہمیں قرآن ماننے میں کلام ہے (ازالہ ص ۶۱۴)

ناظرین مرزا صاحب نے اپنی عبارت میں انسانوں کی قید اپنی طرف سے لگا دی ہے۔ آیت تعمیم ہے اور اس لیے ایسے تین صفات بیان ہوئے ہیں جن سے کوئی مخلوق جن وملک۔ انسان وحیوان وغیرہ اس تعیم سے باہر نہیں رہ سکتے۔ (۱) **من دون اللہ** اس میں کل مخلوق شامل ہے (۲) کسی شے کا خالق نہ ہونا یہ بھی سب پر محیط ہے۔ (۳) مخلوق ہونا یہ بھی بجز خدا کے سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس ان صفتوں والا اگر کسی قوم وقبیلہ کا معبود سمجھا یا مانا گیا ہے تو وہ مردہ ہے۔''

جب ہم نصاریٰ کے مذہب پر نظر ڈالتے ہیں جو خدا کو ثالث ثلثہ جانتے ہیں اور اس کے ساتھ دو اور اقنوم قائم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خدا کے سوا

ایک تو مسیح کو معبود جانتے ہیں۔ دوسرے روح القدس کو۔ ان دونوں کی پرستش بھی کرتے ہیں اور ان دونوں کو پکارتے بھی۔

مرزا صاحب اس آیت پر تمسک کر کے حضرت مسیح کی وفات ثابت کرتے ہیں میں ان سے دریافت کر لینا چاہتا ہوں کہ وہ روح القدس کو بھی مردہ جانتے ہیں۔ یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ کیا وہ من دون اللہ نہیں۔ یا وہ کسی شے کا خالق بھی ہے۔ یا وہ خود مخلوق نہیں۔ یا نصاریٰ اس کو اسی طرح نہیں پکارتے۔ جس طرح مسیح کو پکارتے ہیں اگر یہ سب صفات اس میں موجود ہیں تو پھر .... روح القدس کو آیت کی تعمیم سے جدا رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ اگر مرزا جی کے پاس روح القدس کو اس عمومیت سے جدا رکھنے اور جدا باور کرنے کی کوئی وجہ ہے تو یقین رکھیے کہ ہمارے پاس بھی ہے اور اگر وہ روح القدس کو بھی مردہ سمجھتے ہیں تو بسم اللہ اس کا اقرار فرمائیں۔ تا کہ ان کے بیسیوں دلائل پر پانی پھر جائے اور میں پھر معنی آیت گزارش کروں۔

ناظرین ایک لطیف قصہ یاد رکھنے کے قابل ہے جب قرآن مجید میں ﴿اَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ نازل ہوا تو مشرکین نے اس تعمیم کو دیکھ کر خوب تالیاں لگائیں اور خوش ہو کر کہا کہ اگر ہم اور ہمارے بت جہنم میں ڈالے جائیں گے تو ہم کو کچھ غم نہیں۔ کیونکہ اسی قاعدہ ''وما تعبدون'' کے بموجب نصاریٰ کے ساتھ مسیح کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا اور ہم اس پر خوش ہیں کہ جب مسیح جہنم میں جائے تو ہم اور ہمارے بُت بھی وہیں ڈالے جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا۔

﴿وَمَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ﴾

یعنی حضرت عیسیٰ کی نظیر جو ان کفار نے پیش کی ہے۔ یہ ان کا مجادلہ ہے یہ لوگ محض خصومت سے ایسی باتیں کرتے ہیں

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾

''حضرت عیسیٰ تو خدا کے ایسے بندے ہیں جن پر خدا نے نعمت کی ہے۔''

پس آیت کریمہ کی اس تعمیم میں وہ منعم علیہ جس کی تخصیص واستثناء دیگر آیات سے ہوچکی ہے کیوں کر شامل ہوسکتا ہے۔

مرزا صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ ایسی تعمیمات سے تمسک واستدلال کرنا اور دیگر آیات پر نظر نہ ڈالنا وہ شیوہ اور وہ مسلک ہے جس پر مشرکین مکّہ گامزن ہوچکے ہیں اور جن کی تکذیب قرآن مجید فرماچکا ہے اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کا استدلال نہ شرعی ہے نہ عالمانہ بلکہ آیت مذکورہ ایسے استدلال کا نام مجادلہ رکھتی اور مستدل کو قوم خصمون میں شامل کرتی ہے۔﴿فَاعْتَبِرُوْ یَا اُولِی الْاَبْصَارِ﴾

۲- ﴿اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ﴾ پر بھی غور فرمایئے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ یہ من دون اللہ جن کو پکارا جاتا ہے یہ ﴿اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ﴾ حالاً یا مآلاً ہیں۔ یعنی کیا آیت کے یہ معنی مرزا جی کرتے ہیں کہ جب چند شخصوں نے کسی من دون اللہ کو پکارنا شروع کیا تو وہ فوراً مر بھی جاتا ہے اور اس کی حیات بھی منقطع ہوجاتی ہے اگر وہ یہی معنی کرتے ہیں تب کچھ شک نہیں کہ یہ معنی خلاف واقع ہیں اور کلام ربانی کی شان عظیم اس سے برتر واعلیٰ ہے۔ ہم نے خود سینکڑوں ایسے شخص دیکھے ہیں اور مرزا صاحب نے، ناظرین رسالہ نے بھی دیکھے ہوں گے کہ ان کے بیوقوف معتقد اور مرید ان کو خدا سے حاضر ناظر کی طرح ہر وقت ہر جگہ موجود جانتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے جاگتے سوتے یا پیر یا پیر ہی پکارا کرتے ہیں۔ ان کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ خدا روٹھ جائے تو پیر ملا دیتا ہے اور پیر روٹھ جائے تو خدا نہیں ملا سکتا۔ اس لیے وہ ہمیشہ پیر کا درجہ رسول اور خدا سے برتر وافضل جانا کرتے ہیں اور بااین ہمہ طغیانی کفر وشرک یہ من دون اللہ معبود اپنی تمتع اور کامرانی کے دن بڑی عیش وشادمانی سے پورے کیا کرتے ہیں۔ یہ واقعات جن کا ظہور ہر شخص ہر روز دیکھ سکتا ہے، بتلا رہے ہیں کہ مرزا صاحب کے معنی غلط اور خلاف واقع ہیں۔

اب رہا ان کا مآلاً اموات اور غیر احیاء ہونا۔ یعنی بالآخر ان مشرکین کے معبودوں کو ایک روز مرنا ہے یہ بیشک صحیح ہے مگر اب آیت میں مسیح علیہ السلام کی

وفات بالفعل پر ذرا بھی اشارت باقی نہ رہے اور مرزا صاحب کا ہم پر کچھ اعتراض نہ رہ گیا۔ کیوں کہ حضرت مسیح کی وفات بزمانہ آیندہ کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور کل نفس فان کا اثر نفاذ مسیح پر بھی تسلیم کرتے ہیں۔

۳۔ جوابات بالا مرزا صاحب کی تفہیم کے لیے عرض کیے گئے ہیں ورنہ مفسرین نے آیت کو بحق اصنام یعنی بتوں کے لیے لکھا ہے اور اموات غیر احیاء کے یہ معنی کیے ہیں کہ ان بنائے ہوئے معبودوں کو تو کبھی بھی حیات حاصل نہیں ہوئی ان میں کبھی بھی لوازم زندگی پائی نہیں گئی اور اس لیے عدم محض ہیں اس معنی پر کوئی اعتراض مرزا صاحب کا وارد نہیں ہوتا اور وفات مسیح کی دلیل کا تو اس میں وارد ہونا ذرا بھی تعلق نہیں رکھتا۔

(۲۱) اکیسویں آیت وفات مسیح علیہ السلام پر مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے:

﴿مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤاَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

اور وجہ استدلال یہ لکھی ہے کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی رسول نہیں آ سکتا۔ حضرت عیسیٰ بھی رسول ہیں وہ بھی نہیں آ سکتے جب نہیں آ سکتے تو ان کی حیات کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ ثابت ہوا کہ لامحالہ وہ فوت ہو گئے۔

ناظرین یہاں مرزا صاحب سے سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور منشاء غلطی یہ ہے کہ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان رفیعہ کے سمجھنے میں قصور ہوا ہے۔ قرآن مجید میں یہ آیت صریح اور نص قطعی موجود ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ﴾

ترجمہ! ”جب خدا نے نبیوں سے اقرار لیا جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر جب تمہاری طرف رسول موعود آئے جو

تمہاری سچائی ظاہر کرے گا تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔''

اور اس کا مفہوم ومنطوق یہ ہے کہ جس قدر انبیاء ورسل حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک گذرے ہیں۔ یہ سب وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ کی امت کے شمار میں اپنے آپ کو داخل وشامل سمجھیں گے اور امتیوں کی طرح آپ کا کلمہ پڑھیں گے۔ اسی آیت کی عملی تفسیر اس حدیث معراج میں ہے۔ جو صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے امام بن کر نماز پڑھائی اور موسیٰ وعیسیٰ وابراہیم علیہم السلام وغیرہ نے آپ کے پیچھے مقتدی بن کر پڑھی۔ پس جب انبیاء گذشتہ کا شمار پہلے ہی سے حضرت کی امت میں حضرت کی رسالت کے بعد ہوتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس میثاق ازلی کے ایفاء کے طور پر دنیا میں آنا اور خلیفہ مسلمین بننا رسول کریم ﷺ کے اعلیٰ درجہ رسالت کا مظہر ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ کے درجہ خاتمیت کے منافی۔ یہ امر کہ مسیح علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی امت میں شمار ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب نے انیسویں آیت کے تحت میں ازالہ کے ص۶۲۳ پر ان الفاظ میں مان لیا ہے۔'' یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آگئے ہیں۔'' یہ اقرار کرنے کے بعد مرزا صاحب سے نہایت مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح بن مریم کے آنے کا انکار اس آیت کے تمسک سے کریں اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ انبیاء گذشتہ میں سے اگر کوئی نبی اس میثاق ازلی کے موافق جس کی خبر قرآن مجید میں دی گئی، ہمارے سیّد محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصرت وخدمت کے لیے دنیا میں تشریف لائے تو مرزا صاحب اس آیت کو اس کے لیے مانع خیال کرتے ہیں۔ مگر خود اپنے لیے ایک پہلو نکال کر یوں تحریر کرتے ہیں خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی ﷺ کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔ ہاں ایسا نبی جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا۔ جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں وہ اس تحریر سے باہر ہے کیوں کہ وہ بباعث اتباع اور فنا فی

الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے جیسے کل میں جزو داخل ہوتی ہے۔'' (ازالہ ص ۵۷۵) دیکھو کیسے صاف لفظوں میں لکھ گئے کہ میں نبی ہوں اور یہ آیت میرے لیے مانع نہیں۔ کیونکہ فنافی الرسول ہوکر میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جزو بن گیا ہوں۔

اچھا مرزا صاحب اگر بباعث اتباع اور فنافی الرسول ہونے کے کوئی نبی ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہوجاتا ہے اور اس کی نبوت جداگانہ شمار نہیں ہوتی۔ تب بھی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا آنا اور نزول فرمانا ثابت ہوگیا کیوں کہ صحیح مسلم کی حدیث معراج عن ابی ہریرہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا ہے اور فنافی الرسول ہونے کی شہادت حضرت عیسیٰؑ کے اس وعظ سے ملتی ہے جس میں انہوں نے اپنی امّت کو وجود باوجود محمدیؐ کی بشارت سُنا سُنا کر فرمایا تھا۔ آگے کو تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیوں کہ اس دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں (یوحنا ۱۵ باب ۳۰ آیت) دنیا کا سردار اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔'' خیال کرو کیسے الفاظ ہیں اور کس سچے دل اور صادق زبان سے نکلے ہیں اگر فنافی الرسول کا درجہ اس قول کے قائل کو بھی حاصل نہیں جس کا اپنے قول میں صادق ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے تو اور کس شخص کو ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد مرزا جی اس حدیث پر نظر فرمائیں۔ جس میں آنحضرتؐ نے انبیاء کو علامتی بھائی فرما کر آخر میں فرمایا ہے **وأنا أولى الناس بعيسىٰ ابن مريم** یہاں آپ ذرا غور سے دیکھیں کہ آپ کی اصطلاح کے موافق عیسیٰ بن مریم تو محمد رسول اللہ میں اور محمد رسول اللہ حضرت مسیح علیہ االسلام میں کس طرح داخل ہیں۔ غرض ثابت ہوا کہ آپ کی متدل لہ آیت آپ کے مفید نہیں ہوسکتی۔ بچند وجوہ:

۱- قرآن مجید شہادت دیتا ہے کہ جملہ انبیاء آنحضرت کی امّت میں ہیں۔ لہٰذا اس میں سے کسی ایک کا آنا اور خلیفہ بننا بعینہ صدیق اور فاروق جیسا خلیفہ بننا ہے۔

۲۔ مرزا صاحب نے مان لیا کہ مسیح بھی اسی امت محمدیہ ﷺ کے شمار میں آ چکا ہے۔ (۶۲۳)

۳۔ مرزا صاحب کہتے ہیں میں نبی ہوں اور میرے لیے آیت خاتم النبیین مانع نہیں کیوں کہ مجھے درجہ فنافی الرسول حاصل ہے اور میں رسول خدا سے کچھ جدا نہیں ہوں۔

۴۔ فنا فی الرسول کا قاعدہ کلیہ حضرت مسیح پر زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ انجیل اور صحیح مسلم اس کے گواہ ہیں۔

پس ثابت ہوگیا۔ مرزا صاحب نے اس آیت سے استدلال میں بڑی غلطی کھائی ہے یا صریح مغالطہ دیا ہے۔

ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام جو خدا کے نبی ہیں۔ وہ ہمارے سید و مولا محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابی بھی ہیں۔ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ اس نے ایمان کے ساتھ زندگی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ آنحضرت ﷺ کا حضرت مسیح سے شب معراج کو ملاقات کرنا ثابت ہے۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ اگر صدیق و فاروق کی خلافت کے لیے آیت خاتم النبیین مانع ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافت کے لیے بھی ہے۔ اور اگر ان کے لیے مانع نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی مانع نہیں۔ ایک نبی کا نبی ہو کر پھر صحابی ہونا بھی بعید نہیں۔ حضرت ہارون و یحیٰ کی مثالیں موجود ہیں۔ ہارون علیہ السلام تو موسیٰ کے صحابی تھے، یحیٰ زکریا علیہ االسلام کے۔

(۲۲) بائیسویں آیت وفات مسیح علیہ السلام پر یہ پیش کی ہے:

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو۔ اگر تم کو معلوم نہ ہو۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ جب ہم نے نصاریٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی

گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو۔ تو وہی آ جاتا ہے یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنی ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہم شکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم فیصل کر چکے ہیں۔ دیکھو کتاب سلاطین کتاب ملاکی۔ انجیل کہ ایلیا کا دوبارہ آسمان [1] سے اترنا مسیح نے کس طور پر بیان فرمایا ہے۔''

ناظرین اس بیان میں مرزا صاحب نے چند غلطیاں کی ہیں: اول معنی آیت کے سمجھنے میں۔ آیت کے صاف معنیٰ یہ ہیں کہ اگر تم کو معلوم نہ ہو تب اہل

☆ حاشیہ: [1] : آیئے مرزا صاحب اگر آپ **فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ** پر ہی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو یوں ہی فیصلہ کرلیں۔ آپ نے الفاظ ایلیا کا دوبارہ آسمان سے اترنا'' لکھ کر یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ایلیا آسمان پر چڑھایا گیا۔ آپ یہ دریافت کرتے ہیں کہ اس کا اترنا کس طور کا بیان کیا گیا ہے تو پہلے یہ دریافت کر لیجیے کہ ''ایلیا کا آسمان پر چڑھ جانا کس طرح بیان کیا گیا ہے اور یوں ہوا کہ جب خداوند نے چاہا کہ ایلیا کو ایک بگولے میں اڑا کے آسمان پر لے جاوے۔ تب ایلیاہ الیسع کے ساتھ جلجلال سے چلا اور ایلیا نے الیسع کو کہا تو یہاں ٹھہر اس لیے کہ خداوند نے مجھے بیت ایل کو بھیجا ہے۔ سو الیسع بولا۔ خداوند کی حیات اور تیری جان کی سوگند میں تجھے نہ چھوڑوں گا سو وے بیت ایل کو اتر گئے اور انبیاء زادے جو بیت ایل میں تھے نکل کے الیسع کے پاس آئے اور اس کو کہا تجھے آگاہی ہے کہ خداوند آج تیرے سر پر سے آقا کو اٹھا لے جائے گا۔ وہ بولا ہاں میں جانتا ہوں۔ تم چپ رہو۔ تب ایلیاہ نے اس کو کہا۔ اے الیسع تو یہاں ٹھہر کہ خداوند نے مجھ کو یریحو کو بھیجا ہے۔ اس نے کہا خداوند کی حیات اور تیری جان کی قسم میں تجھ سے جدا نہ ہوں گا۔ چنانچہ وہ یریحو میں آئے اور انبیاء زادے جو یریحو میں تھے الیسع کے پاس آئے اور اس سے کہا تو اس سے آگاہ ہے کہ خداوند آج تیرے آقا کو تیرے سر پر سے اٹھا لے جائے گا۔ وہ بولا میں تو جانتا ہوں۔ تم چپ رہو اور پھر ایلیاہ نے اس کو کہا تو یہاں ورنگ کر کہ خداوند نے مجھ کو یردن بھیجا ہے وہ بولا خداوند کی حیات اور تیری جان کی قسم میں تجھ کو نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ وے دونوں آگے چلے اور ان کے پیچھے پیچھے پچاس آدمی انبیا زادوں میں سے

بقیہ حاشیہ: ا: ☆ روانہ ہوئے اور سامنے کی طرف دور کھڑے ہو رہے اور وے دونوں لب یردن (نامح ریا) کھڑے ہوئے اور ایلیاء نے اپنی چادر کو لیا اور لپیٹ کر پانی پر مارا کہ پانی دو حصے ہو کے اِدھر اُدھر ہو گیا اور اسے دونوں خشک زمین پر ہو کے پار ہو گئے۔

اور ایسا ہوا کہ جب پار ہوئے تب ایلیاہ نے الیسع کو کہا کہ اس سے آگے کہ میں تجھ سے جدا کیا جاؤں۔ مانگ کہ میں تجھے کیا کچھ دوں۔ تب الیسع بولا مہربانی کر کے ایسا کیجئے کہ اس روح کا جو تجھ پر ہے مجھ پر دوہرا حصہ ہو۔ تب وہ بولا تو نے بھاری سوال کیا۔ سو اگر مجھے آپ سے جدا ہوتے ہوئے دیکھے گا تو تیرے لیے ایسا ہوگا اور اگر نہیں تو ایسا نہ ہوگا۔

اور ایسا ہوا کہ جوں ہی وہ دونوں بڑھتے اور باتیں کرتے چلے جاتے تھے تو دیکھ کہ ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے درمیان آ کے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاہ بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا اور الیسع نے دیکھا اور چلایا اے میرے باپ میرے باپ اسرائیل کی رتھ اور اس کے ساتھی۔ سو اُس نے پھر نہ دیکھا اور اس نے اپنے کپڑوں پر ہاتھ مارا اور انہیں دو حصے کیا اور اس نے ایلیاہ کی چادر کو جو اوپر سے گر پڑی تھی اٹھا لیا اور الٹا پھرا اور یردن کے کنارے پر کھڑا ہوا اور وہاں اس نے ایلیاہ کی چادر کو جو اس پر سے گر پڑی تھی، لے کر پانی پر مارا اور کہا کہ خداوند ایلیاہ کا خدا کہاں ہے اور اس نے بھی اس چادر کو جب پانی پر مارا تو پانی ادھر اودھر ہو گیا اور الیسع پار ہو گیا۔'' مرزا صاحب ایلیاہ کے آسمان پر چڑھ جانے کی کیفیت مفصل پڑھ کر اب اپنے اس فقرہ کو یاد کریں کہ جب جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے جانا ثابت ہو جائے تو پھر اسی جسم کے ساتھ اترنا کچھ مشکل نہیں۔ نیز یہ فقرہ مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان سے اترنا اس کے جسم کے ساتھ چڑھنے کی فرع ہے ازالہ ص ۲۶۹۔ اور ملاحظہ کیجئے کہ ایلیاہ کا جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھنا کس وضاحت سے اہل کتاب کے صحف سماوی میں مندرج ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ایلیاہ کی جس چادر کے گرنے کا ذکر ہے وہ اس کا جسم ہی تو تھا بالکل غلط ہے کیوں کہ اول تو شروع باب میں یہ فقرہ ہے یہ

معلوم نہ ہو۔ قرآن مجید سے لے کر صحاح ستہ اور دیگر تمام دواوین حدیث میں نزول مسیح علیہ السلام کی مفصل خبریں درج ہیں بلکہ میں دعوے کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ احادیث نزول مسیح میں اس قدر تفصیل اور تشریح ہے کہ آج تک کسی پیشگوئی کو تو کیا گذشتہ واقعہ کو بھی کسی مورخ نے ایسی خوبی اور صفائی سے شاید ہی بیان کیا ہو۔ میرا یہ کہنا تو مرزا صاحب کو ناگوار خاطر ہوگا کہ انہوں نے ان احادیث پر نظر نہیں ڈالی مگر اس میں شک نہیں کہ ان کی تحریر میں ان احادیث کا علم ہونے کی ذرا بھی دلالت نہیں۔

الف: مرزا صاحب !!! جغرافیائی طور پر اس پیشگوئی کے متعلقہ احادیث اس طرح پر ہیں:

۱- مدینہ کی آبادی اہاب تک پہنچ جائے گی۔ (صحیحین) ناظرین آج ہمارے زمانہ تک اس حد تک آبادی نہیں پہنچی۔

۲- اسلامی شہروں میں سے سب سے آخر میں مدینہ ویران ہوگا (ترمذی) خدا کے فضل سے آج تک مدینہ آباد و بارونق ہے۔

۳- بیت المقدس کی کامل آبادی سبب ہے مدینہ کی خرابی کا۔ مدینہ کا خراب ہونا سبب ہے جنگِ عظیم کا۔ جنگِ عظیم کا واقع ہونا سبب ہے قسطنطنیہ کی فتح کا۔ قسطنطنیہ کا فتح ہوجانا وقت ہے خروج دجال کا (ابوداؤد) یہ فقرہ یاد دلانے

بقیہ ☆ حاشیہ ۱: خدا نے چاہا کہ ایلیاہ کو ایک بگولے میں اڑا کے آسمان پر لے جاوے۔ بگولے میں اڑا کر لے جانا روح سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ دوم یہ فقرہ ایلیاہ نے اپنی چادر کو لپیٹ کر دریا پر پھینک کر مارا۔ پانی ادھر اُدھر ہوگیا اگر چادر سے مراد جسم ہے تو ایلیاہ نے خود اپنے جسم کو کس طرح لپیٹ کر دریا پر مارا تھا۔ سوم یہ فقرہ الیسع نے بھی اس چادر کو جب پانی پر مارا کیا الیسع نے اپنے پیر و مرشد کی لاش کو پھینک کر مارا تھا غرض یہ تاویل فضول ہے۔ اور سلاطین ۲ باب ۲ سے ایک جسم کا آسمان پر جانا ثابت ہے۔ اگر مرزا صاحب کو فاسئلوا اھل الذکر پر ایمان ہے تو پہلے اس صعود جسمی کو تو مان لیں۔

کی ضرورت نہیں۔ کہ خروج الدجال سبب ہے نزول مسیح کا۔

۴ حضرت مسیح شہر بیت المقدس میں اور مسلمانوں کے لشکر میں نازل ہوں گے (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ب: اس کے بعد ملکی انقلابات سے متعلقہ احادیث پر نظر ڈالیے:

۱- مسلمانوں کا لشکر جو نصاریٰ کی طلب میں نکلا ہوگا۔ اس فوج کے مقابل ہوں گے جس نے قسطنطنیہ فتح کرلیا ہوگا۔ تین روز تک مسلمانوں کو شکست ہوتی رہے گی۔ چوتھے روز مسلمانوں کو فتح کامل حاصل ہوگی۔ اس جنگ سہ روزہ میں ۹۹ فیصدی مقتول ہوں گے۔ اس فتح کے بعد مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کرلیں گے۔ فتح کے بعد جب ملک شام میں پہنچیں گے۔ تب الدجال خروج کرے گا اور پھر نماز صبح کے وقت حضرت عیسیٰ نزول فرمائیں گے۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ وابن مسعود)

۲- الدجال زمین مشرق خراسان سے نکلے گا۔ ترمذی عن ابی بکر صدیق۔ وہ بجز مکہ ومدینہ سب جگہ پھر جائے گا۔ (مسلم)

۳- حضرت عیسیٰ مسیح باب لد پر دجال کو قتل کریں گے۔

ج- تعین زمانہ اور سنین کے اعتبار سے ملاحظہ فرمایئے:

۱- جنگِ عظیم اور فتح قسطنطنیہ میں ۶ سال کا فاصلہ ہے اور الدجال کا خروج ساتویں سال میں ہے (ابوداؤد وصحّحہ)

گو میں نے ان احادیث کی طرف نہایت مختصر لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔ مگر حق کے طالب اور صداقت کے جویا ان بیانات سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ میری غرض ان احادیث کو دکھانے سے یہ ہے کہ جب اسلام نے اپنی تعلیم کو خود مکمل کردیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ناچیز بندوں پر اپنی نعمت کو تمام فرمادیا ہے اور مبحث فیہ مسئلہ میں بھی ایسی صراحت سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے۔ تو ان نعمتوں کی قدر نہ کرنا اس پاک اور آخری تعلیم پر اعتبار نہ کرنا اور پھر اہل کتاب سے پرسش کا اپنے آپ کو محتاج جاننا کیا ہی لغو فعل ہے۔ جس طرح بہت سے شوم طبع بھکاری (جن

کے اندوختہ سے ان کے نفس کو بھی منفعت حاصل نہیں ہوتی) سینکڑوں اشرفیاں اپنی سڑی بُسی گدڑی میں چھپا رکھتے ہیں اور پیسہ پیسہ کے لیے در بدر بھٹکتے پھرا کرتے ہیں۔ بس اس جگہ بھی ٹھیک وہی مثال ہے۔

دوسری غلطی مرزا صاحب کی یہ رائے ہے کہ نصاریٰ کی کتابوں سے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جب کسی نبی کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو تو اس کے کیا معنی ہوتے ہیں۔'' مرزا صاحب کیوں یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ ان کتابوں میں خاص حضرت مسیح کے آنے کے بارہ میں کیا لکھا ہے کیوں کہ اس جگہ عمومیت کا سوال نہیں بلکہ خصوصیت کا ہے۔

میں معزز ناظرین کی نزہت طبع کے لیے مسیح کے آنے کے بارہ میں جو کچھ انجیل میں لکھا ہے پیش کرتا ہوں۔ متی ۲۴ باب میں یہی بیان ہے:

۱۔ یسوع ہیکل سے نکل کر چلا گیا اور اس کے شاگرد اس کے پاس آئے کہ اسے ہیکل کی عمارتیں دکھلائیں۔

۲۔ پر یسوع نے کیا کیا تم یہ سب چیزیں دیکھتے ہو میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ یہاں پتھر پتھر پر نہ چھوٹے گا جو گرایا نہ جائے گا۔

۳۔ جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا اس کے شاگرد اس کے پاس آئے اور بولے کہ یہ کب ہوگا اور تیرے ☆ آنے کا اور دنیا کے اخیر کا نشان کیا ہے۔

۴۔ اور یسوع نے جواب دے کر انہیں کہا۔ خبردار ہو کہ کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے۔

۵۔ کیوں کہ بہتیرے میرے نام پر آوینگے اور کہیں گے میں مسیح ہوں (۲) اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔

۶۔ اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے۔ خبردار مت گھبراؤ کیوں کہ ان سب

☆ حاشیہ: ۱: ناظرین تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا نشان کیا ہے۔'' یہ الفاظ ﴿اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَۃِ﴾ کا ترجمہ ہیں۔ مرزا صاحب نے انہ کی ضمیر میں جو مختلف وجوہ پیش کیے ہیں۔ احادیث نبوی کے الفاظ اور انجیل کے الفاظ اس کا تصفیہ کرتے ہیں۔

باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے۔ پر اب تک اخیر نہیں ہے (یعنی قیامت نہیں)

۷۔ کیوں کہ قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھے گی۔ اور کال وبائیں اور جگہ جگہ زلزلے ہوں گے۔

۸۔ پھر یہ سب باتیں مصیبتوں کا شروع ہیں۔ تب وہ تمہیں دکھ میں حوالے کریں گے اور میرے نام کے سبب سب قومیں تم سے کینہ رکھیں گی۔

۹۔ اور اس وقت بہتیرے ٹھوکر کھائیں گے اور ایک دوسرے سے کینہ رکھے گا۔

۱۰۔ اور بہت جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔

۱۱۔ اور بے دینی پھیل جانے سے بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہو جاوے گی۔

۱۲۔ پر جو آخر تک سہے گا وہی نجات پاوے گا۔

۱۳۔ اور بادشاہت کی یہ خوشخبری ساری دنیا میں سنائی جاوے گی۔ تا کہ سب قوموں پر گواہی ہو اور اس وقت آخر آوے گا۔

۱۴۔ پس جب ویرانی کی مکروہ چیز کو جس کا دانیال نبی کی معرفت ذکر ہوا

☆بقیہ حاشیہ: حواریوں کے الفاظ سوال سے یہ بھی معلوم ہے کہ اس سوال سے پہلے بھی ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور پھر قربِ قیامت میں بار دوم آنے کا حال معلوم ہو چکا تھا یعنی وہ یہ وقت تھا۔ جب اللہ تعالیٰ ﴿انی متوفیك ورافعك الی ﴾ کا وعدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دے چکا تھا۔ اور ان الفاظ کے معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نیز ان کے حواری وہی سمجھے تھے۔ جو آج جمہور مسلمانوں نے سمجھے ہیں ورنہ تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا کیا نشان ہے۔'' بالکل بے معنی ہوا جاتا ہے کیوں کہ حضرت مسیح تو خود ان میں موجود تھے اور آنے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔

☆حاشیہ۲: حضرت عیسیٰ نے پیشگوئی کیسے صاف اور واضح الفاظ میں حتمی طور پر فرمائی ہے اور اطلاع دی ہے کہ بہت سے لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو مسیح کا نام اور درجہ اپنے لیے ثابت کریں گے پھر علامت اور نشان کے طور پر فرمادیا کہ جھوٹے مسیح اس زمانہ میں پیدا ہوں گے جب لڑائیاں شروع ہوں گی یا لڑائیوں کی افواہ۔قوم پر بادشاہت بادشاہت پر چڑھے گی۔ کال وبائیں، زلزلے آئیں گے اب ان علامات

ہے، مقدس مکان میں کھڑے دیکھو گے۔ (یعنی جب الدجال بیت المقدس پہنچے)

۱۵- تب جو یہودیہ میں ہوں پہاڑوں پر بھاگ جائیں۔

۱۶- جو کوٹھے کے اوپر ہو۔ اپنے گھر سے کچھ نکالنے کو نہ اترے۔

۱۷- اور جو کھیت میں ہو اپنا کپڑا اٹھا لینے کو پیچھے نہ پھرے۔

۱۸- پر ان پر افسوس جو ان دنوں میں حاملہ اور دودھ پلانے والیاں ہوں۔ (کیوں کہ جب بچہ پیٹ یا گود میں ہوتا ہے بھاگا نہیں جاتا)

۱۹- سو دعا مانگو کہ تمہارا بھاگنا جاڑے میں بار کے دن نہ ہو (اس سے ظاہر ہے کہ الدجال بیت المقدس میں موسم سرما اور یوم شنبہ کو پہنچے گا۔ (بھاگنا نہ ہو سے مطلب یہ ہے کہ خدا تم کو وہ دن نہ دکھلائے)

۲۰- کیوں کہ اس وقت ایسی بڑی مصیبت ہوگی۔ جیسی دنیا کے شروع سے اب تک نہ ہوئی اور نہ کبھی ہوگی۔

۲۱- اور اگر وہ (دن) گھٹائے نہ جاتے تو ایک تن بھی نجات نہ پاتا۔ پر برگزیدوں کی خاطر وہ دن گھٹائے جائیں گے۔

۲۲- تب اگر کوئی کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے۔ یا وہاں تو یقین مت لاؤ۔

۲۳- کیوں کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بڑے نشان اور کرامتیں دکھائیں گے یہاں تک کہ اگر ممکن ہوتا تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے۔

بقیہ☆ حاشیہ:۲: پر نظر غور سے دیکھو۔ پہلے مرزا صاحب کا وہ دعویٰ یاد کرو ''جعلنك مسیح ابن مریم'' یعنی میں مسیح ہوں پھر فرانس کا جنگ، سیام سے سوڈانیوں کا، مصر سے انگریزوں کا، افریقہ میں وحشی لوگوں سے۔ ہندوستان میں برہما اور شمالی پہاڑی والوں سے وغیرہ وغیرہ پر نگاہ ڈالو۔ پھر روس اور انگلستان کی اور جرمن و فرانس کی اور یونان و روم کی جنگ کی افواہیں یاد رکھو۔ اور پھر اس نتیجہ کو جو مسیح علیہ السلام نے نکالا ہے انصاف سے دیکھو کہ وہ جھوٹے مسیح بہتیروں کو گمراہ کرنے والے ہوں گے۔ فقط

۲۴- دیکھو میں پہلے سے ہی کہہ چکا ہوں۔

۲۵- پس اگر وہ (لوگ) تمہیں کہیں دیکھو وہ (مسیح) جنگل میں ہے۔تو باہر مت جاؤ۔ دیکھو وہ کوٹھری میں ہے (جس کا نام مرزا صاحب نے بیت الذکر رکھا ہے) تو باور مت کرو۔

۲۶- کیوں کہ جیسے بجلی پورب سے کوندتی ہے۔اور پچھّم تک چمکتی ہے۔ ویسا ہی انسان کے بیٹے کا آنا بھی ہوگا۔

۲۷- اور فی الفور ان دونوں کی مصیبت کے بعد سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمان کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔

یوحنا کی انجیل میں دیکھئے:

۲۸- تم سن چکے ہو۔ کہ میں نے تم کو کہا۔ کہ جاتا ہوں۔ اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھے پیار کرتے تو میرے اس کہنے سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے۔ کیوں کہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔

۲۹- اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا ہے تا کہ جب ہو جاوے۔تم ایمان لاؤ۔(۱۵ باب۔) مرقس کے ۱۳ باب اور لوقا کے ۱۷ باب میں بھی اسی طرح ہے۔

اب مرزا صاحب انصاف اور حق پسندی کی راہ سے فرمائیں کہ آپ حضرت مسیح کا بیان ان کے بعد نزول کے بارہ میں جو اس قدر مفصل ہے اور اناجیل اربعہ میں منقول ہے۔ کیوں منظور نہیں فرماتے۔ انجیل یوحنا کا یہ فقرہ میں نے تم کو کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ زیادہ تر تدبّر اور غور کے قابل ہے۔ ظاہر ہے ''پھر آتا ہوں۔'' وہی شخص کہا کرتا ہے جو پہلے جایا کرتا ہے۔ پہلے جانا حضرت مسیح علیہ السلام کا ہمارے اور مرزا صاحب کے نزدیک مسلم ہے (گو اس کی کیفیت میں اختلاف ہو) مگر پھر آتا ہوں۔'' کی مرزا صاحب بڑے زور سے تردید

کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کا پھر آنا محال اور قدرت کے خلاف ہے۔ اندریں حالت کہ مرزا صاحب ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ پکار رہے ہیں۔ اور انجیل حضرت مسیح کا بذاتِ خود دنیا پر مکرر آنا باآواز بلند پکار رہی ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ مرزا صاحب نے کیوں اور کیوں کر اس آیت کو وفات مسیح علیہ السلام کی دلیل بنایا ہے اور نہ صرف خوش اعتقاد مریدوں کو، بلکہ کل مسلمانوں کو کیسی صریح غلطی میں ڈالنا چاہا ہے۔

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اہل کتاب کی آسمانی کتاب میں نزول مسیح علیہ السلام کی کیفیت کیا لکھی ہے؟ اب میں ایلیا کے اُس قصہ پر توجہ کرتا ہوں جس کا حوالہ اس آیت متدلہ کے تحت میں مرزا صاحب نے دیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہود حضرت ایلیا کی آمد کے منتظر تھے۔ جب حضرت مسیح نے نبوت کا اظہار کیا تو یہود نے یہ اعتراض کیا کہ پہلے ایلیا آنا چاہئے تھا اگر تو مسیح ہے بتا، ایلیا کہاں ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام کا جواب اس بارہ میں انجیل میں یوں تحریر ہے کہ حضرت یوحنا کی طرف اشارہ کر کے آپ نے فرمایا۔ آنے والا ایلیا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو۔ اس جواب کا وہی مطلب ہے جو مرزا صاحب نے سمجھا ہے مگر ناظرین انجیل کو ذرا تامل سے ملاحظہ فرمایئے۔ اسی انجیل میں یہ بھی ہے کہ جب علماء یہود کے فرستادوں نے خود حضرت یوحنا سے سوال کیا کہ آپ کون ہیں۔ آیا مسیح ہیں۔ کہا میں نہیں ہوں۔ پوچھا کیا آپ ایلیا ہیں۔ فرمایا میں نہیں ہوں۔ آیا وہ نبی ہیں (وہ نبی ترجمہ ہے آنحضرت کا) کہا میں نہیں ہوں۔ انہوں نے پھر دریافت کیا کہ اگر آپ نہ مسیح ہیں نہ ایلیا ہیں نہ وہ نبی ہیں تو پھر کون ہیں۔ حضرت یوحنا (یحیٰ علیہ السلام) نے جواب دیا میں وہ ہوں جس کی یسعیاہ نبی نے خبر دی تھی۔

اب دیکھو کہ اگر انجیل کا یہ بیان ہے کہ مسیح نے یوحنا کو ایلیا بتایا تو انجیل ہی کا یہ بیان ہے کہ یوحنا نے ایلیا ہونے سے انکار کیا۔ چیلہ نے اپنے گرو کو (کچھ) بنانا چاہا مگر وہ نہ بنا۔

فرمایئے مسیح جو دوسروں کے بارہ میں کہہ رہا ہے وہ سچا ہے یا یوحنا جو خود اپنے حال کی خبر دیتا ہے وہ صادق ہے۔ نبی دونوں ہیں نتیجہ کیا نکالو گے؟ یہی کہ نبی تو دونوں سچے ہیں۔ ہاں مسیح کے قول میں تحریف ہوگئی ہے۔ اس قدر لکھنے کے بعد جس سے ایلیا کا یوحنا میں ہونا غلط محض ثابت ہو چکا۔ یہ بھی درج کر دینا چاہتا ہوں کہ یہودی اگر حضرت ایلیا کے آنے کے قائل بھی تھے تو ان کے اعتقاد میں یہ ہرگز نہ تھا کہ خود آسمان پر سے اترے گا۔ دیکھو علماء یہود نے حضرت یوحنا سے آ کر یہ پوچھا ہے کہ تو مسیح ہے یا ایلیا۔ یا وہ نبی۔ اگر ایلیا کے آسمان سے نزول فرمانے کے وہ قائل ہوتے تو حضرت یوحنا پر مسیح اور وہ نبی ہونے کا شبہ نہ کرتے۔ اور جب انہوں نے شبہ کیا تو اس کے صرف دو معنی ہیں یا تو یہود مسیح اور وہ نبی اور ایلیا تینوں کے نزول من السماء کے قائل تھے اور یہ بہ بداہت باطل ہے کیوں کہ مسیح اور وہ نبی تو ہنوز بار اول بھی دنیا میں پیدا نہ ہوئے تھے۔ یا یہ کہ وہ ایلیا کے بجسدہ آسمان سے نازل ہونے کے قائل نہ تھے اور یہی فقرہ کا مطلب ہے۔ بدیں صورت مرزا صاحب کی وجہ استدلال کچھ بھی نہ رہی اور ثابت ہوگیا کہ مرزا صاحب نے اس آیت سے استدلال کرنے میں چند در چند غلطیاں کیں اور مغالطے دیئے ہیں۔

(۲۳) تیئسویں آیت:

﴿يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾

''اے اطمینان والے نفس اپنے رب کی طرف پھر جا تو اس سے راضی وہ تیرے سے راضی پھر میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں چلا آ''

مرزا صاحب کی وجہ استدلال یہ ہے کہ گذشتہ جماعت میں دخل جب مل سکتا ہے جب انسان مر جائے اور صحیح بخاری کی حدیث معراج سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی فوت شدہ نبیوں کے گروہ میں شامل تھے۔ لہٰذا یہ نص وفات مسیح پر دلالت صریح رکھتی ہے۔

ناظرین مرزا صاحب کا صغری و کبری دونوں غلط ہیں۔ صحیح بخاری کی اسی حدیث پر جس کا مرزا صاحب نے حوالہ دیا ہے۔ اگر تدبر کرتے تو اس غلطی پر وہ جلد مطلع ہو جاتے۔ مرزا صاحب فرمایئے نبیوں کی فوت شدہ جماعت میں حضرت عیسیٰ کو دیکھنے والا کون تھا؟ ظاہر ہے ہمارے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس وقت آپ اسی دنیوی حیات میں تھے پس جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کا گذشتہ انبیاء کے گروہ میں دخل ہوا دخل مل جانے کے بعد کچھ تفاوت نہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے ہو۔ یا زیادہ دیر کے لیے اسی طرح مسیح بھی اس وقت اس گروہ میں موجود تھے اس غلطی کے بعد دوسری غلطی مرزا صاحب کی یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا اگروہ ﴿يَا عِيْسَىٰ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ اور يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ﴾ دونوں پر چشم بصیرت سے نظر فرماتے تو ان کو صداقت کا نور درخشاں نظر آتا۔ پہلی آیت میں عیسیٰ مخاطب ہیں عیسیٰ میں جسم اور روح دونوں شامل ہیں اور دوسری میں صرف نفس یعنی روح مخاطب ہے۔ پہلی آیت میں رَافِعُكَ اِلَيَّ ہے اور دوسری میں اِرْجِعِي۔ دنیا بھر کے لغات میں تلاش کرلو۔ نہ رجوع بمعنی رفع ملے گا اور نہ رفع بمعنی رجوع پھر ایک کو دوسری سے کیا مناسبت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رفع کے معنی کلام الٰہی میں وہی ہیں جو اس کے لغوی اور حقیقی معنی ہیں اور مرزا صاحب نے اپنی تقویت کے لیے لفظ کو اس کے اصلی معنی سے پھیر کر کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔

مرزا صاحب آپ نے رَافِعُكَ اِلَيَّ کو اِرْجِعِي اِلىٰ رَبِّكَ کے ہم معنی بنا دیا ہے اگر کوئی کہے کہ اِرْجِعِي اِلىٰ رَبِّكَ اور وَاِلىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ بھی ہم معنی ہیں تو آپ کیا جواب دیں گے۔

(۲۴) چوبیسویں آیت:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾

خدا وہ ہے۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر رزق دیا۔ پھر مارے گا۔ پھر زندہ

کرے گا'' مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ یہی چار واقعات زندگی کے ہیں۔ اس سے کوئی باہر نہیں یعنی مسیح بھی۔''

ناظرین یہ سچ ہے کہ ان واقعات چارگانہ میں کل مخلوق داخل ہے مگر حروف ثم جو ہر حالت کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ بتاتا ہے کہ یہ تمام واقعات آن واحد ہی میں شخص واحد پر گزر نہیں لیتے۔ بلکہ ان سب میں تراخی (دیر اور فاصلہ) اور ترتیب کا ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستمعین کے لیے آیت خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ کے الفاظ صیغہ ماضی کے ساتھ ہیں اور ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ کے الفاظ صیغہ مضارع سے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ گو مستمع پر دو واقع گزر گئے ہوں اور گزر رہے ہوں مگر دو امور آیندہ پیش آئیں گے پس جب آیت کا مفہوم زندہ جانداروں کی وفات بالفعل کا مقتضی نہیں بلکہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ سب کو مرجانا ہے اور سب پر ان واقعات چار گانہ نے گزر لینا ہے تو وفات مسیح پر استدلال کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ آج کل حضرت مسیح ثُمَّ رَزَقَكُم کے مصداق حال ہیں؟

(۲۵) پچیسویں آیت:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾

یعنی جو چیز زمین پر ہے وہ فنا کی طرف میل کر رہی ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے فان کا لفظ اختیار کیا۔ یفنی نہیں کہا۔ مطلب یہ کہ فنا کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری ہے۔ ہمارے مولوی صاحبان یہ گمان کر رہے ہیں کہ مسیح ابن مریم اسی فانی جسم کے ساتھ بلاتغیر وتبدل آسمان پر بیٹھا ہے۔ (ازالہ ۶۲۰)

ناظرین ہمارا ایمان ہے کہ ہر شے کے ساتھ فنا لگی ہوئی ہے۔ ہم مرزا صاحب کے بیان کو سچ جانتے ہیں کہ یفنی کی جگہ فان کا لفظ اختیار کرنے میں یہی بلاغت اور حکمت تھی مگر مرزا صاحب یہ فرمائیں کہ اس میں وفات بالفعل کی دلیل کہاں ہے۔ یہ بھی جناب ممدوح کا مولوی صاحبان پر افترا محض ہے کہ مسیح بلاتغیر وتبدل آسمان پر بیٹھا ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور اعتقاد رکھتے ہیں کہ زمانہ کے تغیر وتبدل کا

اثر بعض جسموں پر (غیر معمولی کہو یا خرق عادت کے طور پر سمجھو) ایسا خفیف ہوتا ہے کہ وہ اثر نہ خود اس جسم کو محسوس ہوتا ہے اور نہ اس کے دیکھنے والے کو۔ اصحاب کہف جب ۳۰۹ برس کے بعد اٹھے تو انہوں نے اپنے خواب کی درازی مدت کو صرف ﴿يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ خیال کیا تھا علیٰ ہذا۔ جب ان میں سے ایک بازار میں گیا تو بازار والے بھی جسمی ساخت وغیرہ سے اس کو اپنے ہی زمانہ کا ایک شخص سمجھ کر (کیوں کہ ان کو بھی کوئی ایسا تغیر نہ معلوم ہوا۔ جس سے وہ ان کو گذشتہ چار صدیوں کا آدمی خیال کر لیتے) اور ان کے ہاتھ میں نہایت پرانے عہد کا سکّہ دیکھ کر دور دراز کے خیالات میں پھنس گئے تھے۔ تغیر وتبدل کے اثر کا تفاوت طبقات ارض پر بھی ہے۔ گرم ولایت میں مردوزن جلد جوان ہوجاتے ہیں اور سرد میں ان سے کئی سال بعد۔ گرم ولایت کے رہنے والے جلد بوڑھے ہوجاتے ہیں۔ سرد ولایت کے بہ دیر۔ آسمانی زمین پر رہنے والوں میں تغیر وتبدّل ایسا کم اور غیر محسوس ہے جس کے لیے کسر اعشاریہ کے صفر بھی مشکل سے کفایت کرسکتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کل من کی تحت میں آسمان کے فرشتے بھی شامل ہیں اور مرزا صاحب بھی جانتے ہیں کہ فان کا اثر ان پر بھی ہے۔ یعنی سلسلۂ فنا ان کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے مگر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ وہ ہزاروں برس سے عبادت کرنے والے ہنوز ایسے زمانہ تک جس کی حد انسانی وہم وگمان سے برتر ہے، زندہ رہیں گے۔ اب مرزا صاحب کے نزدیک اگر مولوی صاحبان نے مسیح علیہ السلام کے جسم پر جو زمین آسمانی پر ہے، نامعلوم تغیر وتبدل کا تا نزول ہونا مان لیا ہے اور اس ماننے سے ان کی توحید اور ان کی اطاعت قرآن کریم کے دعوی باطل ہوگئے ہیں تو کیا خود مرزا صاحب پر وہی اعتقاد دربارۂ فرشتگان رکھنے میں وہی اعتراض عاید نہ ہوں گے۔ سبحان الله قضى الرجل على نفسه اسی کو کہتے ہیں۔

مرزا صاحب یہ آفتاب جو آپ کے نزدیک جسم جبرئیل کا نام ہے اس کے وجود میں ایسا کم تغیّر وتبدل ہے کہ آپ کے فلسفیوں کے نزدیک (جن کی تحقیقات پر

بھروسہ کر کے اور جن کی ہنسی اڑانے کے خوف سے ڈر کے آپ نے رفع مسیح کا انکار کیا ہے) اس کی اتنی حدت اور حرارت جو دنیا کو گرم نہ رکھ سکے، پچاس کروڑ برس میں جا کر کم ہو گی۔

(۲۶) چھبیسویں آیت:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾

اس کا ترجمہ مرزا صاحب نے بدیں الفاظ کیا ہے: ''متقی لوگ جو خدائے تعالیٰ سے ہر ایک قسم کی سرکشی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ فوت ہو جانے کے بعد جنات اور نہر میں ہیں، صدق کی نشست گاہ میں بااقتدار بادشاہ کے پاس ہیں۔'' اور وجہ استدلال یہ لکھی ہے کہ مرنا اور مقربین کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا۔ یہ تینوں مفہوم ایک ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ اگر رافعک الی کے یہی معنی ہیں کہ مسیح خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا تو بلاشبہ وہ جنت میں بھی داخل ہو گیا۔''

ناظرین ترجمہ اور وجہ استدلال میں چند غلطیاں ہیں۔ ترجمہ میں ''فوت ہو جانے کے بعد'' بناوٹی الفاظ ہیں۔ جو مرزا صاحب کی مضمون آفریں طبیعت نے خود شامل کر دیے ہیں۔ اس آیت مستدلہ کا تعلق مرنے کے بعد سے نہیں بلکہ روز قیامت سے ہے۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں:

﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ﴾

آگے چار آیتیں مجرمین ہی کے بیان میں ارشاد فرما کر فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ﴾

معزز ناظرین نہ صرف مرزا صاحب کا ترجمہ ہی غلط ہے بلکہ یہ بھی کہ مرزا صاحب نے اسی آیت کی بنا پر جو یہ اصول قائم کیا تھا (حالانکہ الفاظ میں اس اصول

کی طرف صراحت تو کیا دلالت بھی نہیں) کہ انسان مرنے کے ساتھ ہی بہشت میں چلا جاتا ہے۔ وہ سراپا غلط ہے۔قرآن مجید میں ہے:

﴿يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ هٰذَا مَاتُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ﴾

جس روز ہم جہنم کو پوچھیں گے تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کیا اور کچھ بھی ہے؟ اور (جس روز) متقین کے واسطے جنت کو آراستہ کر کے قریب لائیں گے یہ وہ بہشت ہے جس کا وعدہ ہر رجوع کنندہ (احکام کے) محافظ کو دیا گیا تھا جو شخص بن دیکھے رحمٰن سے ڈرا رجوع کرنے والے دل کے ساتھ آیا۔ اس کو اس بہشت میں سلامتی کے ساتھ داخل کر دو۔ یہ دن یوم خلود ہے۔''

یہ آیت کس قدر مرزا صاحب کے تلازم اور ایک آن کے مسئلہ کو باطل کر رہی ہے۔ احادیث صحیحہ میں بھی بڑی تفصیل وتشریح ہے سب کی جامع ایک ہی حدیث ہے۔'' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ میں سب سے پہلے دروازہ جنت جا کر کھٹکھٹاؤں گا۔ رضوان پوچھے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا'' محمد ﷺ رضوان دروازہ کھول دے گا اور کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔'' اگر مرزا صاحب کا یہ مذہب ٹھیک ہے تو ان کو اس حدیث کے بعد بتلانا پڑے گا کہ وفات محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے تک جس قدر برگزیدگانِ خدا انتقال کرتے رہے۔ وہ سب کہاں جنت کے باہر رہے۔

یہ تمام تقریر تو مرزا صاحب کی اصولی غلطی ظاہر کرنے کے لیے لکھی گئی۔ اب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آیت مستدلہ مرزا صاحب کے دعوے پر ذرا دلیل نہیں۔ بالفرض ان کا یہ بیان صحیح ہے کہ انسان مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو وفات مسیح پر یہ کیا دلیل ہے۔ برگزیدہ بندوں میں داخل ہونا اگر دلیل وفات ہوتی تو

شب معراج میں ہی رسول کریم ﷺ کا وفات پانا ایک مسلم واقع ہوتا جب ایسا نہیں ہوا تو آپ کا یہ استدلال ایسا بودا اور ضعیف ہے جس کو دعوے سے ذرا مناسب نہیں۔

(۲۷) ستائیسویں آیت:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خَالِدُوْنَ﴾

''جن لوگوں کو ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی مل چکی ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے اور بہشت کی آسائشوں میں ہمیشہ رہیں گے۔''

مرزا صاحب کی وجہ استدلال وہی پرانی ہے کہ انسان مرتے ہی بہشت میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور مضمون آیت یہ ہے کہ ''نیک بندے بہشت میں داخل ہوں گے۔ لہٰذا حضرت مسیح مرگئے۔'' مرتے ہی بہشت میں داخل ہونے کا غلط ہونا میں ثابت کر چکا ہوں۔ بالفرض یہ عقیدہ صحیح و درست ہے تاہم اس اصول سے کہ مُردے فوراً داخل بہشت ہیں، وفات مسیح بالفعل کہاں ثابت ہوگئی۔

(۲۹) انتیسویں آیت:

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾

''جو کچھ تم کو رسول دے وہ لے لو۔ اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔''

آیئے مرزا صاحب اسی آیت پر عمل کریں اور دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حیات مسیح اور نزول مسیح علیہ السلام کے بارہ میں کیا فرمایا ہے۔

۱۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

قال رسول الله ﷺ لليهود ان عيسى لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة (تفسیر ابن کثیر)

''رسول خدا ﷺ نے یہود کو (جو وفات عیسیٰ کے قائل تھے) فرمایا

حضرت عیسیٰ ہرگز نہیں مرے اور وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔"

حدیث میں لم یمت کا لفظ غور طلب ہے۔ کیوں کہ لم نفی تاکید کے لیے آتا ہے اور مضارع کو بمعنی ماضی کر دیتا ہے مطلب یہ کہ اس وقت تک حضرت عیسیٰ نہیں مرے۔ اس حدیث پر شاید جرح ہو سکتی ہے کہ مرسل ہے امام حسن بصری نے صحابی کا نام نہیں لیا۔ مگر یہ جرح مرزا صاحب اور ان کے اخوان الصفا کی طرف سے تو ہو نہیں سکتی۔ کیوں کہ مرزا صاحب نے الحق جلد اول نمبر ۷ کے صفحہ ۸۰ پر تسلیم کر لیا ہے: مجرد ضعف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی اثر سے روک نہیں سکتا۔" مرسل حدیث بکلی پایۂ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض نہیں ہوتی۔" اب رہے اہل حدیث وہ بھی اس حدیث پر کچھ جرح نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ امام حسن بصری سے بروایت صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ جب وہ روایت حدیث میں ارسال کرتے ہیں تو اس حدیث کے راوی حضرت علی مرتضیٰ ہوتے ہیں مگر بنی امیہ کے خلاف اور شورش کے خوف سے آپ نام نہیں لیا کرتے۔ اس سے واضح ہوا کہ حدیث بالا مرفوع ہے اور اس کی سند بھی جید اور عالی ہے۔" مرزا صاحب اگر "ما آتاکم الرسول" پر ایمان رکھتے ہیں تو اس حدیث کے سامنے سر اطاعت خم کریں۔

۲۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے "لیس بینی وبین عیسی نبی وانہ نازل "میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا اور وہی عیسیٰ تم میں نازل ہوں گے۔ ان الفاظ کو مرزا صاحب ایمانی نظر سے دیکھیں کہ کس کا آنا ثابت ہوتا ہے اور کس کی زندگی واضح ہے۔

۳۔ امام احمد کی مسند اور ابن ماجہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شب معراج کو حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ سے ملا۔ قیامت کے بارہ میں گفتگو ہونے لگی۔ فیصلہ حضرت ابراہیم کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں پھر حضرت

عیسیٰ کو فیصلہ دیا گیا۔ انہوں نے کہا قیامت کے وقت کی خبر تو خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ ہاں خدا نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال نکلے گا اور میرے ہاتھ میں شمشیر برندہ ہوگی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو یوں پگھلنے لگے گا جیسے رانگ پگھل جاتا ہے [1]۔

مرزا صاحب کیا یہ احادیث ''ما آتاکم الرسول'' میں داخل ہیں۔ یا نہیں اگر ہیں تو آپ ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اگر آپ کے نزدیک ''ما آتاکم الرسول'' میں جملہ احادیث نبوی میں سے صرف وہ دو حدیثیں داخل ہیں جو آپ نے اس آیت کی تحت میں لکھی ہیں تو واضح ہو کہ یہ دو حدیثیں بھی آپ کے مدعا کے لیے ذرا ثبت نہیں۔

۱- ترمذی کی یہ حدیث آپ نے پیش کی ہے کہ اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین واقلھم من یجوز ذلک جس کا ترجمہ بھی آپ نے صحیح کیا ہے کہ ''میری امت کی اکثر عمریں ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی اور ایسے لوگ کمتر ہوں گے جو ان سے تجاوز کریں۔'' میں کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بھی اقلھم میں داخل ہیں پھر یہ حدیث کیا دلیل آپ کے لیے ہے۔

۲- دوسری حدیث مسلم کی یہ پیش کی ہے: ما علی الارض من نفس منفوسۃ یاتی علیھا مائۃ سنۃ وھی حیۃ۔" جو زمین کے اوپر جاندار ہے۔ ایسا مخلوق نہیں کہ اس پر سو برس گزریں اور وہ زندہ ہو۔" ما علی الارض کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ حکم صرف ان نفوس منفوسہ کے لیے ہے جو اس وقت زمین پر موجود تھے۔ ورنہ ما علی الارض کی شرط لغو ٹھہرتی ہے بلکہ زیادہ تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ متکلم ﷺ کو یہ تخصیص کرنے کے وقت حضرت مسیح کا ضرور خیال گزرا ہے اور اس لیے ایسے الفاظ استعمال فرمائے جو روئے زمین کے کل انسانوں پر تو حاوی ہوسکیں مگر حضرت مسیح

☆ حاشیہ: [1] میں نے از راہِ اختصار تین احادیث پیش کی ہیں۔ تفصیل دواوین حدیث میں دیکھنی چاہیے ورنہ غائت المرام ضرور ملاحظہ ہو۔

اس سے مستثنیٰ بھی رہیں۔ لفظ الارض پر جن علماء نے علمی بحث کی ہے اور آیات ربانی کے قرائن سے الارض کے الف لام کو تعیین کے لیے قرار دیا ہے اس بحث میں تو مرزا صاحب الارض کو ربع مسکون پر بھی اطلاق نہ کرسکیں گے۔ بلکہ جزیرہ عرب ہی مختص ہو جائے گا۔ الغرض یہ احادیث بھی آپ کے لیے کچھ مد ومعاون نہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مرزا جی ''ما آتاکم الرسول'' کے امر واجب الاذعان کو جو نہایت وسیع اور عام ہے، صرف دو حدیثوں کے اندر (جن کو آپ نے بہزار دقت اپنے مفید بنایا تھا مگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوئے) محدود جانتے ہیں بلکہ جہاں کہیں رسول معصوم کے ارشادات جن کی طاعت ہم پر فرض کی گئی ہے، ان کے اوہام نفسانی کی مخالفت کرتے ہیں اس جگہ آپ نہایت دلیری اور جرأت سے احادیث رسول پر مخالفانہ حملہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی نگاہ میں احادیث نبوی کی وقعت کو پرکاہ سے بھی کم ظاہر کردیں۔ اس بیان کے ثبوت میں کہ انہوں نے کس طرح پر جابجا احادیث نبوی پر حملہ کیے ہیں اور کیسے کیسے پیرایہ میں ان کا ساقط الاعتبار ہو ناز وروشور سے تحریر کیا ہے۔ مجھے زیادہ حوالے دینے کی ضرورت نہیں۔ میں اس جگہ اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ''ما آتاکم الرسول'' کا امر واجب الاذعان اس وقت فراموش ہو جایا کرتا ہے۔

(۳۰) تیسویں آیت یہ ہے:

﴿اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا﴾

اس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یوں کیا ہے: ''یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا۔ تب ہم ایمان لے آویں گے ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک و برتر ہے کہ اس دار الابتلاء میں ایسے کھلے کھلے نشان دکھادے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں۔ کہ ایک آدمی۔'' ترجمہ کے بعد لکھا ہے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا۔ انہیں جواب صاف ملا کہ یہ عادت اللہ

کے خلاف ہے۔

ناظرین اس آخری آیت کے تحت میں مرزا صاحب نے اپنی تمام اندرونی چالاکیاں ختم کردی ہیں۔ پہلے تو ایک آیت کے اول اور آخر کے الفاظ کو ملا کر اور بیچ کے الفاظ کو بالکل اڑا کر اس کو ایک مستقل آیت بنا دیا اور پھر اس کے ترجمہ میں بہت کچھ کمی بیشی کی۔ مثلاً ہم کو معلوم نہیں ہوتا کہ ''تب ہم ایمان لے آویں گے'' کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ ناظرین جس آیت کو مرزا صاحب نے الفاظ بالا کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

﴿اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَاۗءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾

اس سے ثابت ہوا کہ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَاۗءِ کے بعد اور قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ سے پہلے اس قدر الفاظ ﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ مرزا صاحب نے دانستہ قلم انداز کر دیے اور اس طرح قرآن مجید کو بھی اپنی تحریف سے محروم نہ چھوڑا۔ پہلے تو احادیث کو ظنی وغیرہ کہہ کر قرآن مجید پر مدار ڈالا۔ اور جب قرآن مجید کو بھی اپنے مطالب کے مخالف پایا اور تاویل وتعقید سے بھی کام نہ چلا۔ تب الفاظ اور آیتوں کو بھی قلم انداز کرنا شروع کیا۔ اللہ اکبر اگر رب کریم نے اس کتاب مجید کی حفاظت کا خود ذمہ نہ فرمایا ہوتا اگر باری تعالی نے اپنے فضل ورحمت سے اپنے کلام قدیم کو کروڑوں مسلمانوں کے دل وسینہ اور قلب وزبان پر نہ لکھ دیا ہوتا تو پیارے مسلمانو تم دیکھتے کہ کتب سابقہ میں تو کیا تحریف ہوئی تھی جو ایسے شیر بہادروں کی بدولت قرآن مجید میں ہوجاتی۔ پاک ہے وہ رب العالمین جس نے وانا له لحفظون کہہ کر قرآن کی حفاظت خود فرمائی ہے۔

غرض پیارے ناظرین مرزا صاحب نے عمداً آیت کے الفاظ کو قلم انداز کر کے اور سلسلۂ کلام کو توڑ کر پہلے تو کفار کے بیان کو پلٹ دیا۔ اور پھر اس جواب کو

جو دوسری درخواست کے متعلق تھا۔ پہلی درخواست سے متعلق کر کے ایک خیالی قانون قدرت کی مدد فرمائی اور غالباً دل میں بہت ہی خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم نے کیسی خوبی سے اپنے مذہب کو ثابت کر دیا۔ بزرگ مسلمانو! اب آیت شریفہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس آیت کو سرے سے

﴿وَقَالُوْ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا﴾ سے دیکھتے چلے آئیں۔ کفار نے یہ کہا تھا:

ہم تجھ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تو ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ بہا نہ نکالے۔

یا تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا ہو اور تو اس میں نہریں چلا کر بہا لے۔

یا ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے۔

یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن۔

یا ہو تیرے لیے ایک ستھرا گھر۔

یا تو چڑھ جائے آسمان پر اور ہم تو تیرے آسمان پر چڑھ جانے سے بھی ایمان نہ لائیں گے۔

جب تک تو ہمارے لیے ایک نوشتہ نہ اتارے جس کو ہم سب پڑھ لیں۔

اے محمد ﷺ! تو کہہ دے سبحان اللہ میں تو ایک بشر اور رسول ہوں۔

اس تمام آیت سے پتہ ملتا ہے کہ کفار اپنی درخواست ہائے معجزہ میں کیا کچھ دیکھنے کی تمنا کرتے تھے۔ ان کی درخواستیں یا تو نبی کے درجہ رفیعہ سے بہت ہی گری ہوئی اور سفلی تھیں اور یا منصب نبوت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی اور عادت اللہ کے خلاف۔ ان کی سفلی اور گری ہوئی درخواستیں یہ تھیں:

۱۔ زمین سے چشمہ کا نکالنا۔

۲۔ کھجور اور انگوروں کا باغ۔ اس میں نہریں۔

۳- ستھرے گھر

ظاہر ہے کہ نہ ان کو معجزہ کہہ سکتے ہیں اور نہ ایسا کر دکھلانے سے یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ الٰہی طاقت کے سوا اور کوئی بشر ایسا کچھ دکھلا ہی نہیں سکتا۔ پس یہ درخواستیں تو یوں فضول ٹھہریں۔

عادت اللہ کے خلاف ان کی درخواستیں یہ تھیں:

۱- آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر گرادے۔

۲- خدا اور فرشتوں کو ضامن لے آ۔

پس آیت میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ساری درخواستوں میں سے صرف ایک ہی ایسی درخواست تھی جو منظور کی جاتی یعنی ''آسمان پر چڑھنا۔'' لیکن چونکہ کفار اپنا کاذب اور رسول خدا ﷺ کا صادق ہونا اپنے دلوں میں جانتے تھے کہ جو معجزہ اس رسول سے چاہا جائے گا باذن الٰہی یہ ضرور دکھا دے گا لہٰذا یہ درخواست کرنے کے بعد کہ ''جب تک تو آسمان پر چڑھ کر ہم کو نہ دکھلائے۔'' ہم ایمان نہ لائیں گے، جھٹ اس اقرار اور اس شرط سے بھی منکر ہو گئے اور صاف کہہ اٹھے کہ ہم تو آسمان پر تیرے چڑھ جانے سے بھی ایمان نہ لائیں گے۔ ہاں تب ایمان لائیں گے جب تو ہمارے نام کا نوشتہ بھی بارگاہ الٰہی سے لکھوا کر لے آئے اور ہم سب اس کو پڑھ بھی لیں۔

ناظرین کفار کی اس آخری اور شوخانہ استہزا کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے نبی ان کو سنادے۔ میرا خدا اس سے پاک ہے کہ ہر ایک کے پاس کتاب الٰہی نازل کرے اور تمام مخلوق کو صاحب کتاب اور رسول بنادے۔ پھر یہ بھی کہہ دے میں تو ایک بشر ہوں یا رسول یعنی بشر کسی پر کتاب الٰہی نازل نہیں کرسکتا اور رسول دوسرے کو رسول نہیں بنا سکتا۔

آیت کے الفاظ اور اس کے ترجمہ اور مطلب پر غور کرنے کے بعد ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی مستدلہ آیات میں سے سب سے آخری

آیت کو جو عدم رفع بر سماء کی دلیل قرار دیا تھا اور پھر اس کو وفات مسیح پر چسپاں کیا تھا وہ ان کے دعویٰ کی کتنی مبطل ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کفار کا قول یوں نقل فرماتا ہے" وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ "ہم آسمان پر تیرے چڑھ جانے سے ایمان نہ لائیں گے اور مرزا صاحب قول کفار میں یہ الفاظ ادا کرتے ہیں تو آسمان پر ہمیں چڑھ کے دکھا۔ تب ہم ایمان لے آویں گے"

اب مسلمان خود اندازہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں صادق ہے یا مرزا صاحب۔ دونوں سے صرف ایک صادق بن سکتا ہے اور چونکہ ہمارا اور مرزا صاحب کا بھی یہی مذہب ہے کہ رب العالمین سے بڑھ کر اصدق الحدیث کوئی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اب مرزا صاحب سے امید ہے کہ وہ اپنے ان الفاظ پر کہ "کفار نے آنحضرت ﷺ سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انہیں جواب صاف ملا کہ یہ عادت اللہ کے خلاف ہے۔

پس جب قرآن مجید ہی ان کی وجہ استدلال کو پاش پاش کررہا ہے تو پھر ان کی دلیل کیا رہی۔ مرزا صاحب! قرآن مجید کی وہ لمبی چوڑی تعریفیں جو آپ جا بجا لکھا کرتے ہیں کیا ان کا عملی ثبوت یہی ہے کہ مطلب ومفہوم کلام پاک ایک طرف آپ الفاظ قرآنی اور نظم کلام فرقانی میں بھی تصرف فرمایا کرتے ہیں۔ حیف حیف !!!

ناظرین مرزا صاحب کی پیش کردہ آیات بر وفات مسیح کے متعلق ان کی غلط فہمی کے اظہار کے بعد میں ایک بار پھر آپ کی توجہ ان آیات کی طرف منعطف کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ آیات نمبر ۸، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۴، ۲۵ اور ۲۸ ایسی عام ہیں کہ جن سے کسی شخص کی بھی وفات بالفعل ثابت نہیں ہوتی۔ (خصوصیت سے حضرت مسیح کی وفات کا تو کیا ذکر) اور اگر الفاظ کو توڑ مروڑ کر ان کو مفید معنی اثبات وفات بالفعل کرلیا جائے۔ تو پھر ان کے اثر سے کوئی شخص بھی (کل بنی آدم میں سے جو ایک ارب کئی کروڑ سطح ارض پر موجود ہیں) زندہ نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ خود مستدل

صاحب بھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب ان آیات کو مثبت معنی وفات بالفعل جانتے ہیں تو دلائل سے خود اپنی حیات بالفعل تو ثابت کر دکھائیں اور علمی طاقت سے جو مکتب قدس میں آپ نے حاصل کی ہے، کام لے کر ذرا بیان تو کریں کہ:

﴿اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ﴾، ﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ﴾، ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ﴾، ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ﴾، ﴿ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ﴾، ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾، ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ﴾، ﴿وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَکِّسْهُ﴾، ﴿وَمِنْکُمْ مَنْ یُّتَوَفّٰی﴾، ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ﴾

ان آیات میں جس حصر نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گھیر لیا ہے تو آپ اس حصر سے کیونکر باہر رہے۔ کیا آپ بھی اپنے آپ کو دست بردار اجل سے اچھوتے سمجھتے ہیں۔

آیات نمبر ۵، ۶ کا ایک ہی مضمون ہے۔ حتی کہ مرزا صاحب نے دونوں کو ملا کر ایک قضیہ بنایا ہے۔

علیٰ ہذا آیات ۱۲-۱۵-۲۴ کا ایک ہی مضمون ہے۔

علیٰ ہذا آیات ۱۶، و ۱۸ کا ایک ہی مضمون ہے۔

علیٰ ہذا آیات ۲۶، و ۲۷ دونوں ہم مضمون ہیں۔

اس سے واضح ہوگا کہ مرزا صاحب کو صرف شمار آیات بڑھا لینا منظور ہے۔ ورنہ دراصل ان کے پاس وفاتِ مسیح کی چند آیات بھی نہیں۔ آیات نمبر ۲۲ و ۲۹ ایسی عام ہیں، جن کا حیات یا ممات سے ذرا تعلق نہیں۔ اب رہ گئیں آیات نمبر ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۱۰۔ ۱۱۔ یہ ایسی آیات ہیں جن میں کچھ نہ کچھ مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے پہلی آیت میں ایک وعدہ کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا۔ دوسری میں ایفائے وعدہ کا اظہار، تیسری میں قیامت کا بیان اور حضرت عیسیٰ کے ساتھ سوال وجواب کا ذکر،

چوتھی میں ان کا نزول، دسویں میں دین مسیحی کے ارکان کا بیان، گیارہویں میں ان کی برات، ان تہمتوں سے جو ان کی غیر معمولی پیدائش پر معاندین نے ان کو اور ان کی ماں کو لگائیں۔ نیز ان تہمتوں سے جو ان کے قتل و صلب کے بارہ میں یہود نے مشہور کر رکھی ہیں۔ نیز ان فاسد ظنوں سے جو مشرکین عرب نے ان کی نسبت قائم کر رکھے ہیں کہ ان کے معبودوں کی طرح مسیح بھی حصب جہنم ہوں گے۔ حضرت مسیح کی برات کی گئی ہے۔ مگر اس آیت میں موت بالفعل کا ذکر کہاں ہے۔

ناظرین حقیقت یہ ہے کہ خود مرزا صاحب بھی اپنے دل میں جانتے ہیں کہ میرا استدلال ان آیات سے وفاتِ مسیح پر صحیح نہیں۔ گو وہ دعویٰ کے زد میں آ کر ان آیات کو وفاتِ مسیح کی مثبت لکھ گئے ہیں تاہم بحکم ے تراودز دلم آنچہ در آوند من ست۔ دل کی بات بھی توضیح مرام میں لکھ گئے ہیں کہ وفاتِ مسیح پر تین آیات دلالت کرتی ہیں۔ ازالہ کے ص ۳۸۵ پر بھی یہی اقرار موجود ہے اور وہ آیات یہ ہیں: یَا عِیسیٰ اِنِّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ ۔ دوم: بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ سوم: فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِی ان تین آیات میں سے دو آیات قابل غور ہیں۔ اول اِنِّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ دوم فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِی آیت اول میں ایک وعدہ اور ایک اخبار ہے۔ آیت دوم میں اس وعدہ کے وفاء اور اس خبر کے صدق ظہور کا اظہار ہے۔ لہٰذا اب مدار علیہ صرف ایک آیت یعنی انی متوفیك ورافعك الی رہ گئی۔ کیوں کہ اس آیت وعدہ کے الفاظ سے جو شے موعود سمجھی جائے گی۔ اس کا آیت دوم اور سوم میں (جس میں سے ایک میں صرف رفع کا لفظ ہے) بَلْ رَفَعَهُ اللّٰه اور دوسری میں صرف تَوَفّی کا ﴿فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِی﴾ وفا و صدق ظہور ثابت ہو جائے گا۔

تَوَفّی کے لفظ پر مکرر بحث کی ہم کو ضرورت نہیں۔ ناظرین اسی کتاب کے حصہ گذشتہ پر اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ہاں اس جگہ یہ لکھ دینا ضروری ہے کہ مرزا صاحب نے ازالہ کے صفحہ ۳۹۲ پر تسلیم کرلیا ہے کہ ''مسیح کو جس موت کا وعدہ دیا گیا اس سے حقیقی موت مراد نہیں۔ بلکہ مجازی موت مراد ہے۔ یہ عام محاورہ ہے کہ جو شخص

قریب المرگ ہو کر پھر بچ جائے اس کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نئے سرے سے زندہ ہوا۔'' اور اس تسلیم کر لینے کے بعد ان کے تمام دعاوی دلیل و حجت سے ایسے برہنہ اور عاری ہو گئے۔ جیسے خزاں میں درخت۔ اور ان کی تمام ایچ پیچ کی تقریریں ایسی ہی بے اعتبار ہو گئیں جیسے دیوالیے کی آڑھت۔ تاہم اتمام حجت کے لیے ہم مرزا صاحب کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ اپنے اس اقرار کو واپس لے لیں۔ اور بھولے بھٹکے سے جو الفاظ قلم سے نکل چکے، نسیاً منسیاً خیال کریں۔ اور پھر بھی اس آیت کے معنی کر کے دکھلائیں۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں: يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ

اول يَا عِيسَىٰ پر غور فرمائیے۔ ظاہر ہے کہ يَا عِيسَىٰ اور يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ میں بہت بڑا تفاوت ہے۔ دوسری آیت میں صرف نفس مخاطب ہے جس میں بدن مشارک نہیں اور پہلی آیت میں عیسیٰ مخاطب ہے جس میں جسم اور روح دونوں شامل ہیں۔

دوم إِنِّي مُتَوَفِّيكَ پر تدبّر فرمائیے۔ تَوَفِّی کے معنی قبض تام ہیں اور چونکہ یہ قبض تام عیسیٰ کے لیے ہے جس کے مفہوم میں روح اور جسم دونوں شامل تھے۔ لہٰذا توفی بجسده العنصری ثابت ہوا۔

سوم رَافِعُكَ إِلَيَّ پر تفکر کیجئے۔ رفع کے معنی بلند کرنا ہیں جس کی ضد وضع ہے۔ جو نیچے رکھ دینے کے معنی میں آتا ہے۔

ازالہ کے ص ۳۳۹ پر آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ رافعك کا تعلق متوفيك سے ہے۔ پھر ص ۳۳۹ پر مان لیا ہے کہ جو قبض کیا جاتا ہے وہی اٹھایا بھی جاتا ہے۔

لفظ عیسیٰ کے مفہوم اور توفی کے معنی نے حضرت مسیح کا بجسدہ العنصری قبض کیا جانا اور لفظ رفع کے معنی نے اسی جسم کے ساتھ آسمان پر جانا ثابت کر دیا۔ وللہ الحمد۔ یہ وہ معنی ہیں جن میں نہ لغت سے عدول ہوا، نہ عرف سے، نہ کہیں مرادی معنی لیے گئے، نہ مجازی ڈھکوسلا لگایا گیا۔ مرزا صاحب جو اس آیت کے معنی کرتے ہیں۔ وہ یا عیسیٰ کے لفظ پر تو کچھ غور کرنا ہی نہیں چاہتے۔ انی متوفیک میں توفی کے معنی

صرف قبض روح کرتے ہیں۔ مگر ہم حیران ہیں کہ توفی کے معنی صرف قبض روح کس لغت میں ہیں اگر براہ عنایت مرزا صاحب کسی مستند کتاب لغت میں یہ الفاظ لکھے دکھا دیں کہ توفی کے معنی صرف قبض روح اور جسم کو بیکار چھوڑ دینے کے ہیں تو وہ ایک ہزار روپیہ کا انعام پانے کے مستحق ہوں گے۔ اس رقم میں ''سراج منیر'' بخوبی چھپ سکتا ہے۔

وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کے معنی وہ لغوی نہیں لیتے۔ بلکہ مرادی معنی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رَافِعُكَ اِلَیَّ سے قرب الٰہی مراد ہے۔ مسلمانوں کا اعتقاد ہے اور لغت ان کا شاہد ہے کہ رفع کسی جسم کے بلند کرنے، نیچے سے اٹھا کر اوپر لے جانے کو کہتے ہیں۔ وہ جسم خواہ محسوس ہو یا غیر محسوس۔ واضح ہو کہ جس طرح حضرت عیسیٰ کے محسوس جسم کے اٹھالینے پہ رب کریم نے اس لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ اسی طرح رسول خدا نے بھی ایک محسوس جسم کے زمین سے اوپر اٹھائے جانے پر اسی لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔

وقریش تسالنی عن مسرای [1] فسألتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتها فکربت کربا ما کربت مثله فرفعه الله الی انظر الیه ما یسألونی عن اشیاء الا انباتهم۔

(مسلم عن ابی ہریرہ)

''آنحضرت فرماتے ہیں شب معراج کے بعد (جب آپ نے لوگوں سے اپنا بیت المقدس تشریف لے جانا اور وہاں سے افلاک پر جانا بیان فرمایا) قریش میرے اس سفر کے متعلق سوال کرنے لگے انہوں نے بیت المقدس کے متعلق چند ایسی

☆ حاشیہ: [1] مسرای کا لفظ غور طلب ہے کہ اس سے معراج جسمانی ثابت ہوتا ہے (جو جمہور اہل السنت والجماعۃ کا مذہب ہے) یا کشفی منام والا جو مرزا صاحب کا مذہب ہے۔ پھر دیکھنا چاہیے کہ اگر آنحضرت نے اپنا خواب یا کشف بیان کیا ہوتا تو کفار کو اس سے سخت انکار کرنے اور امتحان کی غرض سے مختلف سوالات پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ خواب میں کسی دور دراز مکان کا دیکھ لینا کچھ بھی مستبعد نہیں۔ علیٰ ہذا خواب میں مرئیات کو واقع کے مطابق دیکھنا بھی

چیزیں دریافت کیں۔ جن کا میں نے دھیان نہ رکھا تھا مجھے اس وقت نہایت ہی شاق گزرا (کیوں کہ جواب نہ دینے سے کفار کو احتمال کذب کا یارا تھا) رب کریم نے میرے لیے بیت المقدس کو اٹھا کر بلند کر دیا کہ میں اسے بخوبی دیکھتا تھا پھر قریش نے جو کچھ مجھ سے پوچھا میں نے جواب دے دیا۔''

جناب مرزا صاحب رفعہ اللہ لی پر کم سے کم تین بار غور فرمائیں۔

رفع کے جو معنی ورافعك الی میں ہم نے کئے ہیں۔ اسی کا ممید ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ کا منطوق ہے کیونکہ مرزا صاحب نے جب متوفیک میں صرف قبض روح کے معنی لئے تو رافعک میں معزز موت مراد لی۔ ان دنوں فعلوں کا مرجع بہر حال عیسیٰ ہیں مگر جب وہ ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ کے معنی کرتے ہیں تو ان کے بیان میں لغزش آجاتی ہے کیونکہ مَاقَتَلُوْهُ وَمَاصَلَبُوْهُ کی ضمیر کا مرجع جسم اور روح دونوں ہیں جس کو مرزا صاحب بھی مانتے ہیں لیکن ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ میں آکر وہ ضمیر کا مرجع صرف روح کو قرار دے بیٹھے ہیں جس کے واسطے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ تو کلام میں نہایت بھونڈی اور بدنما تعقید ہے جس کا وجود کسی فصیح انسان کے کلام میں بھی نہیں ملتا چہ جائے کہ ایسے معجز کلام الٰہی میں ہو۔ اس وقت مرزا صاحب کو اپنے وہ الفاظ جو توضیح میں لکھے ہیں، یاد کرنے چاہئیں۔ ''خوبصورت اور دلچسپ طریقے تفسیر کے وہ ہوتے ہیں جن میں متکلم کی اعلیٰ شان بلاغت اور اس کے روحانی ارادوں کا خیال بھی رہے۔ نہ یہ کہ غایت درجہ کے سفلی اور بدنما اور بے طرح موٹے معنی جو ہجو ملیح کے حکم میں ہوں، اپنی طرف سے گھڑے جائیں اور خدائے تعالیٰ کے پاک کلام کو جو پاک اور نازک دقائق پر

بقیہ ☆ حاشیہ: ضروری نہیں۔ کفار کے سوال اور ان کے اعتراض سے رسول کریم کی گھبراہٹ اور اللہ تعالیٰ کا اس گھبراہٹ کو دور فرمانا تو جب ہی ٹھیک ہوتا ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آنحضرت نے اپنے معراج کو جسمانی بتلایا تھا اور آپ کے الفاظ سے صحابہ اور مشرکین نے یہی سمجھا تھا۔ فقط۔

مشتمل ہے، صرف دہقانی [1] لفظوں تک محدود خیال کیا جائے۔'' اب مرزا صاحب کو دیکھنا چاہیے کہ متکلم کی اعلیٰ شان بلاغت کا خیال نہ کر کے غایت درجہ کے سفلی بدنما اور بے طرح موٹے معنی آپ کرتے ہیں، یا ہم۔ ایسے معنی کہ اس میں ضمائر بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی ہیں۔

مرزا صاحب نے ازالہ کے خاتمہ پر پھر آیت: ﴿يَا عِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ کو لکھا ہے (ازالہ ۹۲۲)

اور بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ترتیب وار چار فعل بیان کر کے اپنے تئیں ان کا فاعل بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے اور آیت کے جو معنی ہم نے لکھے ہیں اس میں بھی ترتیب ان فعلوں کی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ البتہ ترتیب توڑنے کا جو الزام بڑے زور وشور سے انہوں نے قائم کیا ہے اور ترتیب توڑنے والوں کو پیٹ بھر گالیاں دی ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ وہی ابن عباس جن کا مذہب امام بخاری نے متوفیک بمعنی ممیتک بیان کیا ہے۔ اور وہی ابن عباس جن کا مذہب ازالہ ۸۹۲ پر آپ نے اپنے لیے سند سمجھا ہے۔

بڑی حیف کی بات ہے کہ حضرت ابن عباس کے مقولہ کا آدھا حصہ تو آپ قبول کرتے ہیں اور آدھا قبول نہیں کرتے۔ ایمان بعض اور کفر بعض کی اگر کوئی اور مثال ہے تو فرمائیں۔

☆ حاشیہ: ۱: مرزا صاحب کے نزدیک قرآن مجید کے الفاظ کے دہقانی ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ ہاں وہ چاہتے ہیں کہ معانی میں بلاغت اور نزاکت ہو۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ تفسیر کے لیے روحانی ارادوں کا خیال کرنا مرزا صاحب نے ضروری ٹھہرایا ہے مگر الفاظ کی موافقت اس تفسیر کے لیے ضروری نہیں بتلائی۔ تاکہ ہر شخص آزادی سے جو چاہے وہ آیات کی تفسیر کرے اور جب اس پر اعتراضات وارد ہوں تب کہہ دے کہ متکلم کے روحانی ارادہ میں یہی معنی ہیں گو تم الفاظ سے یہ معنی سمجھ نہ سکو۔ فقط۔

مسیح موعود

یہ وہ مضمون ہے جس پر مرزا صاحب کی تمام کامیابی کا انحصار ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے پر جو ثبوت اور علامات بیان کی ہیں، میں ان کو مع اپنی ضروری معروضات کے تحت میں درج کرتا ہوں۔

مرزا صاحب نے اس مضمون کو ازالہ صفحہ ۶۵۲ سے شروع کیا ہے۔ آغاز مضمون میں لکھتے ہیں: ''اب ثبوت اس بات کا کہ وہ مسیح موعود جس کے آنے کا قرآن کریم میں وعدہ دیا گیا ہے یہ عاجز ہی ہے ان تمام دلائل اور علامات اور قرائن سے جو ذیل میں لکھتا ہوں ہر ایک طالب حق پر بخوبی کھل جائے گا۔

ازانجملہ الآیات بعد المائتین حدیث میں آیا ہے۔ الآیات سے آیات کبری مراد ہیں جو تیرہویں صدی میں ظہور پذیر ہوں گی۔ چنانچہ اس وقت میں نے ہی دعوی کیا ہے۔'' ناظرین حدیث کا ترجمہ تو یہ ہے کہ نشانیاں دو صدیوں کے بعد ہیں۔ مرزا صاحب نے یہ حدیث لکھ کر پھر اس سے تیرہویں صدی مراد لی ہے اس کے لیے انہوں نے دو قرینے قائم کیے ہیں۔ اول یہ کہ الآیات سے مراد آیات کبریٰ ہیں۔ کیونکہ آیات صغری تو نبی ﷺ کے وقت مبارکہ ہی سے ظاہر ہونی شروع ہوگئی تھیں۔ دوم علماء کا اتفاق''۔ میں کہتا ہوں کہ الآیات سے کبریٰ ہی مراد لیں۔ تب بھی حدیث کے یہی معنی ہیں کہ دوسری صدی کے بعد آیات کا ظہور ہوگا کیوں کہ بقول مرزا صاحب آیات صغری تو خیر القرون ہی میں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ پس نبی ﷺ کا دو صدیوں کے بعد فرمانا اور آیات صغری سے جو اس وقت بھی ظاہر ہو رہی تھیں، قطع نظر فرمانا صاف دلیل اس پر ہے مرزا صاحب کا یہ کہنا بھی کہ علماء کا اتفاق اس حدیث کے معنی میں تیرہویں صدی پر ہوا ہے، یہ دو طرح سے غلط ہے۔ اول یہ کہ ان کے نزدیک اتفاق علماء کوئی شے نہیں یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب معنی آیات حیات مسیح میں

کل مفسرین کے اور معنی احادیث نزول مسیح میں کل محدثین کے اور اصول تنقید احادیث میں تمام فقہا و مجتہدین کے اور الہام و کشف کو دلیل شرعی قرار دینے میں جمیع صوفیہ کرام و سالکین کے سخت مخالف اور معاندین ہیں اور اسی لیے آپ نے نہایت جوش میں آکر یہ تحریر کیا ہے: ''امت ۱؎ کا کورانہ اتفاق یا اجماع کیا چیز ہے۔ (ازالہ ص۱۴۲) پس جس شخص کے نزدیک تمام امت کے اتفاق اور اجماع کا نام بھی کورانہ ہے وہ اتفاق علماء کو ایک حدیث کے معنی میں کیا دلیل بنا سکتا ہے۔ دوم یہ کہ علماء کا اتفاق ہونا بھی اس معنی پر غلط ہے امام جعفر صادق کا یہی مذہب ہے کہ اس حدیث کی رو سے آیات کبریٰ دو صدیوں کے بعد شروع ہو جائیں گے۔ صاحب اشاعہ نے اسی کو راجح بیان کیا ہے۔ نبی ﷺ کی دوسری حدیثیں بھی اسی بیان کی تائید کرتی ہیں ''خیارکم بعد الماتین کل خفیف الحاذ۔ دوم: لا یولد الماتین مولود لله فیه حاجته اور قرون مشهود لها بالخیر" بھی اسی حدیث کی تائید میں ہیں۔ جو تیسری صدی کے آغاز میں ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر تاریخ اسلام اس زبردست پیش گوئی کی شہادت ادا کر رہی ہے کہ تیسری صدی سے کیسی کیسی علامات ظہور پذیر ہونے لگیں جن میں سے ایک ایک نے اہل عالم کے دل کو ہلا دیا اور موت و قیامت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے دکھلا دیا۔ قتل و زلازل کی کثرت ہوئی طاعون و وبا آئی ملک کے ملک صاف کر گئی۔ ایک ایک ظالم کے ہاتھ سے ڈیڑھ ڈیڑھ کروڑ مسلمانوں کا خون ہوا۔ خسف ہوئے۔ مسخ ہوئے۔ باطنیہ نے حج بیت اللہ بند کر دیا۔ حجر اسود کو کعبہ سے اکھاڑ کر لے گئے۔ قحط ایسے ایسے ہوئے کہ قحط یوسف کا نمونہ نظر آ گیا۔ دین کے برباد کرنے کو قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ پیدا ہوئے۔ ایک ایک مسئلہ کے اختلاف پر ہزاروں عالمان دین تہ تیغ بے دریغ کئے گئے۔ امام اہل السنّت والجماعت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے پابزنجیر مدتوں اسیر رہے۔ بیسیوں نے نبوت کے دعاوی کیے۔ بیسیوں نے مثلیت کا نقارہ بجایا۔ کوئی مثیل نوح صاحب کشتی کہلایا۔ کوئی مسیح ابن مریم موعود کے مثیل ہونے کا دعویدار ہوا۔ کسی نے ابراہیم، کسی نے جبرئیل، کسی نے سیدہ فاطمہ بی بی، کسی نے علی مرتضیٰ کی روحانیت کا اپنے اندر ہونا مشہور کیا۔ غرض وہ تمام آثار

☆۱: حاشیہ اگلے صفحہ پر

وامارات اور نشان وعلامات جن کو آیات قیامت احادیث میں بیان کیا گیا تھا، سب کے سب بڑے زور کے ساتھ تیسری صدی ہی میں ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اس چودھویں صدی میں جو کچھ ان فتن کے نمونے نظر آتے ہیں ان سب کی جڑ تیسری صدی کی سرزمین میں لگی ہوئی ہے اور ان تمام شواہد سے اب ہم بخوبی جانتے اور کامل یقین رکھتے ہیں کہ حدیث میں الآیات بعد الماتین سے دو صدیاں ختم ہو کر تیسری صدی ہی کا پتہ دیا گیا ہے۔ اگر ہم بالفرض تسلیم کرلیں کہ اس سے تیرہویں صدی مراد ہے تو پھر بھی مرزا صاحب کے لیے یہ حدیث کچھ مفید نہیں۔ کیوں کہ الہام نے عہدہ مسیحائی پر ان کو چودھویں صدی میں ممتاز کیا ہے اور تیرہویں صدی میں خود مرزا صاحب بھی عامہ مومنین کی طرح یہی مذہب اور اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بہ نفس نفیس جلالی طور پر اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ پس اگر یہ جائز ہے کہ الا یات بعد الماتین کی حدیث کو تیرہویں صدی کے متعلق کہہ سکیں تو یہ بھی جائز ہے کہ اس حدیث کو تیسویں صدی کے متعلق بتا سکیں کیوں کہ جس طرح تیسری صدی کو خالی دیکھ کر کسی نے یہ گمان کیا تھا کہ مأتین کا تعلق ہزار کے ساتھ ہے اور بیچ کی صدیوں سے بکلی قطع نظر کرلی تھی اس طرح تیرہویں صدی کو خالی دیکھ کر ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ماتین کا تعلق الفین سے ہوگا۔ اس حدیث میں نہ تیرہویں صدی کی تخصیص ہے اور نہ مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کی تنصیص۔ اچھا زیادہ سے زیادہ مرزا صاحب نے اگر تاویلات وتسویلات نفسانی سے کام لیا اور بڑے زور لگا کر یہ معنی پیدا کرلئے کہ حدیث کا تعلق تیرہویں صدی سے ہے اور حدیث کے معنی ہی یہ ہیں کہ آیات کبری کا آغاز تیرہویں صدی سے ہو۔ پھر بھی حدیث میں یہ

☆ حاشیہ: ۱: ناظرین اول امت کے لفظ پر غور فرمائیں جو صحابہ سے لے کر تا ابندم تمام مسلمانوں پر حاوی وشامل ہے پھر تمام امت کے اتفاق اور اجماع کو کورانہ کہنے پر خیال کرو۔ کس طرح پر سب مسلمانوں کو بے بصر اور دور از بصیرت بتلایا ہے۔ حالانکہ حدیث مسلم میں یہ ہے کہ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوسکتا۔ رب کریم نے بھی غیر سبیل المومنین کہہ کر اس اجماع کی تصدیق فرمادی۔ یادرکھو المومنین میں الف لام استغراق ہے۔۱۲)

دلالت کہاں ہے کہ مسیح موعود اسی صدی میں آئے گا۔ یا کل آیات کبریٰ ایک ہی صدی میں عدم وبطون سے نکل کر بروز وظہور میں آجائیں گے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں، کہ مرزا صاحب جو اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے لگے ہیں۔ ان کے پاس کیسے کیسے دلائل قاطعہ ہیں۔اور کیسے کیسے براہین ساطعہ ہیں، جو ان نصوص شرعیہ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جن میں مسیح ابن مریم علیہ السلام کے نزول کی اخبار صحیحہ وامارات صادقہ ظاہر کی گئی ہیں۔ ولنعم ماقیل۔

چہ عذر ہائے موجہ زبہر خود گفتی — بچشں لعاب دہانت کہ قندے خائی
تمام عرصۂ محشر مگس فرو گیرد — اگر چنین بقیامت شکر فروش آئی

(۲) مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے کی دوسری دلیل مکاشفات اکابر اولیا کو بتلایا ہے کہ یہ بزرگ بالاتفاق ظاہر کرتے ہیں کہ مسیح موعود کا ظہور چودھویں صدی سے پہلے یا چودھویں کے سر پر ہوگا۔ پھر لکھا ہے کہ اس وقت میں بجز اس عاجز کے اور کوئی دعویدار اس منصب کا نہیں ہوا۔ (ازالہ ص ۶۸۵)

ناظرین مرزا صاحب کی اس دلیل میں چند ضعف ہیں:

۱۔ مکاشفہ کو دلیل ٹھہرانا خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ حدیث اس کی مخالف ہو۔ چودھویں صدی کے خلاف حدیث میں کئی طرح پر آیا ہے: اول بعد المأتین کی حدیث ہی پر غور فرمائیے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کا یہ کشف صاف اور تام نہیں۔ کیوں کہ وہ خود چودھویں صدی پر جزم نہیں کر سکے۔ ان کے کلام میں حرف یا موجود ہے۔ جو شک کے موقع پر بولا جاتا ہے پس جب خود ان کے نزدیک اس پر جزم صحیح نہیں تو مرزا صاحب کو اس پر جزم وحصر کرنا کب درست وروا ہے۔

۲۔ جن اکابر اولیا کے مکاشفات کو دلیل ٹھہرایا ہے ان کا نام تک نہیں لکھا۔ لازم تو یہ تھا کہ آپ ان کی اصل عبارتیں نقل کرتے اور اکابر کے اسمائے گرامی سے اطلاع دیتے۔ لیکن مرزا صاحب نے ایسا نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے حوالہ اور نقل کا بھی میں تو بہت کم اعتبار رکھتا ہوں کیوں کہ میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے

کئی جگہ آیات قرآنیہ میں سے کئی جملے اور احادیث میں سے کئی فقرے اور بائبل میں سے کئی درس قلم انداز کر دیے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو مجرد یہ کہنے سے کہ اکابر اولیا یوں کہتے ہیں، کب اعتبار ہو سکتا ہے۔

۳۔ محض دعوی کو دلیل بنایا ہے۔ یعنی چونکہ اس وقت میں نے دعویٰ کیا ہے لہٰذا میں سچا ہوں۔ حالانکہ کوئی بدمعاش اور عیار سے عیار بھی کوئی ایسی کارروائی زور و فریب کی نہیں کرتا۔ جب تک اس کے پاس یہ باور کرنے کی وجہ نہ ہو کہ یہ کارروائی اس کی برمحل اور بروقت سمجھی جائے گی۔

۴۔ چہارم ناظرین دیکھیں۔ یہ دوسری دلیل بھی وہی ہے۔ جو پہلی دلیل تھی۔ پہلی دلیل میں بھی علماء کے اتفاق اور اپنے اظہار دعویٰ کو دلیل ٹھہرایا تھا اور دوسری میں بھی اولیاء کے اتفاق اور اپنے دعوی کو دلیل ٹھہرایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب شمار دلائل کے زیادہ کرنے کی فکر میں ہیں۔

(۳) تیسری دلیل مرزا صاحب کی یہ ہے۔''از انجملہ مسیح موعود ہونے کی یہ علامت ہے کہ دجال اور اس کا گدھا ریل خروج کر چکا، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض، دخان ظاہر ہو چکے۔ ایسے وقت میں مسیح موعود کا دعوی اس عاجز نے کیا ہے۔'' مرزا صاحب سے یہ امر دریافت کر لینا چاہیے کہ دجّال اور اس کے گدھے، یا جوج ماجوج، دابۃ الارض، دخان اور مسیح موعود میں کوئی تلازم اور ان کے ظہور میں کوئی ترتیب ہے یا نہیں۔ کیوں کہ جس طرح پر انہوں نے یہ تمام نام احادیث سے لیے ہیں۔ (گو ان کی نوعیت اور ماہیت وکیفیت میں اختلاف کیا ہے) اسی طرح ان کو احادیث کی بیان کردہ ترتیب اور تلازم پر بھی خیال رکھنا چاہیے تھا۔

دجّال ان کی رائے میں پادری ہیں۔ پادری لوگ تو شیوع اسلام سے چھ سو برس پہلے سے چلے آتے ہیں اور اب تیرہ صدیوں سے برابر اسلام کے ساتھ معاندانہ مقابلہ کرتے چلے آئے ہیں۔ سپین، غرناطہ، شام میں اِن پادریوں کی طفیل جو تیغ بے دریغ لاکھوں مسلمانوں کی گردن پر چل چکی ہے، وہ اربابِ تواریخ سے مخفی نہیں

مگر تعجب ہے کہ اس ضرورت شدید کے وقت میں بھی مسیح نہ آیا۔ شاید یہ عذر تھا کہ ہنوز اس دجّال کے پاس گدھا موجود نہیں۔ خیر صدیاں گذر گئیں کہ اس کا گدھا بھی چل نکلا مگر مسیح اس وقت بھی نہ آیا۔

یاجوج ماجوج آپ کی رائے میں روس وانگریز ہیں۔ یہ دونوں سلطنتیں ہزاروں برس سے قائم ہیں۔اور چند صدیوں سے ان کا درجہ دنیا کی اول درجہ کی سلطنتوں میں شمار ہوتا ہے اور ان کی سطوت اور غلبہ قائم ہونے کے زمانہ کو بھی سینکڑوں سال ہو چکے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ اس وقت بھی مسیح نہ نکلا۔

علماء اسلام کو آپ دابۃ الارض کہتے ہیں۔ یہ دابۃ الارض تو عہد نبوی ہی سے موجود ہیں۔ غرض دابۃ الارض کو نکلے ہوئے صدی گذرتی گئی اور مسیح کا ظہور ہونے میں نہ آیا۔

دخان کی تعبیر آپ نے قحط شدید سے کی ہے۔ یہ بھی عہد نبوی سے لاحق حال مملکت اسلام و غیر اسلام رہا ہے اور بایں ہمہ مسیح نے اس ممتد زمانہ میں منہ نہیں دکھلایا۔ مسیح موعود نے ظہور پکڑا بھی تو کب جب ان تمام امارات نے جن کا مسیح کے بعد آنے کا بھی ذکر تھا۔ سینکڑوں سال سے دنیا کو تباہ و ویران کر رکھا ہے۔ جناب مرزا صاحب آپ کی یہ بیان کردہ تاویلات ہی بتلا رہی ہیں کہ آپ مسیح موعود نہیں ہیں۔ اگر مسیح موعود ہوتے تو ضرور تھا کہ دجال کے بعد اور یاجوج ماجوج ودابۃ الارض سے پہلے تشریف لاتے۔ اگر آپ کو اصرار ہے کہ مسیح موعود ضرور ہیں تو آپ کی تاویلات دابۃ الارض یاجوج ماجوج وغیرہ صحیح نہیں اور جب یہ صحیح نہیں تو اس کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ آپ مسیح نہیں ہیں۔

(۴) مرزا صاحب کی چوتھی دلیل یہ ہے۔ ''اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کی علامت یہ ہے کہ مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چوداں سو برس بعد یہودیوں کی اصلاح کے لیے آیا۔ جب توریت کا مغز اور بطن یہودیوں سے اٹھایا گیا تھا۔ علیٰ ہذا ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز آیا۔''

مرزا صاحب کی اس دلیل میں بھی غلطیاں ہیں:

۱- مسیح حضرت موسیٰ سے چوداں سو برس بعد نہیں بلکہ سولہ سو برس بعد آئے تھے۔ بائبل دیکھ لو۔ اور ازالہ ص ۶۷۸ پر اپنا اقرار ملاحظہ کرلو کہ حضرت محمد مصطفیٰ حضرت موسیٰ سے بائیس صدیوں کے بعد ہوئے۔ سنہ عیسوی و ہجری جن میں غلطی کا ہونا محال ہے، گواہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ مسیح سے ۵۷۰ برس بعد ہوئے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت مسیح حضرت موسیٰ سے ۱۶ صدیوں کے بعد ہوئے۔

۲- بالفرض مسیح ۱۴ صدیوں کے بعد آئے تھے۔ تب بھی توافق زمانہ نہ رہا کیوں کہ مرزا صاحب اپنے سال پیدائش کے لحاظ سے تو بارہ صدیوں کے بعد اور سال دعوی کے اعتبار سے کامل تیرہ صدیوں کے بعد مسیح ہوئے ہیں۔ بہر حال اگر یہ قاعدہ مان لیا جائے کہ جس قدر عرصہ کے بعد حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح ہوئے تھے، اسی قدر عرصہ کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے مثیل مسیح ہو۔ تب بھی تاریخ کی رو سے مسیح موعود کے آنے میں خواہ وہ اصل ہوں، ہمارے مذہب کے موافق یا مثیل مرزا جی کے موافق ۳ صدیاں اور آپ کے منہ مانی مدت کی رو سے پوری ایک صدی باقی ہے۔

غرض اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ دلیل بھی غلط ہے اور مرزا صاحب مسیح موعود نہیں۔

(۵) مرزا صاحب کی پانچویں دلیل یہ ہے۔ ''از انجملہ یہ ضرور تھا کہ آنے والا ابن مریم الف ششم کے آخر میں پیدا ہوتا۔ سو وہ یہی عاجز ہے۔''

ناظرین اس بیان میں بھی چند مغالطے اور غلطیاں ہیں:

مغالطہ یہ ہے کہ آنے والے ابن مریم کے لیے پیدا ہونے کا لفظ استعمال کیا تا سمجھا جائے کہ وہ آسمان سے اترنے والا نہ ہوگا اور لوگ دھوکے میں پڑ جائیں کہ مسیح کی پیدائش کا احادیث میں ذکر صریح ہے۔

اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کا الف ششم میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ مرزا

صاحب کے کلام میں تو ملتا نہیں ان کے سینہ میں ہو تو ہو۔

اپنے آپ کو آدم اور ابن مریم آخر الخلفاء بنانے میں براہین احمدیہ کے جو حوالے مرزا صاحب نے دیے ہیں وہ بے سود ہیں کیوں کہ نزول مسیح علیہ السلام کے بارہ میں جو کچھ انہوں نے براہین میں تسلیم کیا تھا۔ اب وہ اسے صحیح نہیں سمجھتے اور جائز رکھتے ہیں کہ براہین کا اتنا حصہ غلط اور پرانے خیالات کا فوٹو تسلیم کرلیا جائے۔ لہٰذا اب ان کا کیا حق ہے کہ اسی کتاب کے دوسرے حصہ کو بطور نص قطعی کے پیش کریں۔ اور اسے مان بھی لیا جائے ماسوا اس کے یہ حوالے جو مرزا صاحب نے دیے ہیں بالکل بے سود ہیں۔ الہام کے مضمون میں ہم ظاہر کرآئے ہیں کہ یہ جو الہام موافق شرع ہو وہ مفید ظن ہے۔ ورنہ مفید ظن بھی نہیں۔

(۶) مرزا صاحب کی چھٹی دلیل از انجملہ نزول مسیح کی یہ علامت لکھی ہے کہ دو فرشتوں کے پروں پر اپنی ہتھیلیاں رکھے ہوئے ہوگا۔ یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ اس کا دایاں اور بایاں ہاتھ جو تحصیل علوم عقلی اور انوار باطنی کا ذریعہ ہے، آسمانی موکلوں کے سہارے پر ہوگا اور وہ مکتب اور کتابوں اور مشائخ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے علم لدنی پائے گا اور اس کی ضروریات زندگی کا بھی خدا ہی متولی اور متکفل ہوگا (ازالہ ص ۶۹۷) اسی لیے خدا نے نام متوکل رکھا ہے۔"

ناظرین واضح ہو کہ اس بیان میں بھی بہت غلطیاں ہیں:

۱۔ فرشتوں کے پروں پر اپنی ہتھیلیاں رکھی ہوئی ہوں گی، مرزا صاحب نے رکھی ہوئی ہوں گی، سے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ مدت العمران کی ہتھیلیاں فرشتوں کے پروں پر رکھی رہیں گی۔ چونکہ یہ طرز بیان قابل تاویل بن گیا تھا۔ لہٰذا آگے چل کر اس کی تاویل کردی۔ لیکن حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

"فینزل عند المنارة البیضاء شرقی دمشق بین مهزودتین واضعا کفیه علی اجنحة ملکین"

"حضرت عیسیٰ شہر دمشق کے شرق میں سفید منارہ کے پاس زرد لباس پہنے

دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھ کر نازل ہوں گے۔''

ان کی تاویل کرنے کی حاجت نہیں۔ ماسوا اس کے تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہ الفاظ جن کی تاویل کر کے اس کے مصداق مرزا صاحب خود بنتے ہیں، صحیح مسلم کی حدیث عن نواس ابن سمعان کے ہیں۔ اور اس حدیث کی نسبت مرزا صاحب لکھ چکے ہیں کہ اس کے مضامین عقل، شرع اور توحید کے خلاف ہیں۔ جب ان کا اس حدیث کی نسبت یہ اعتقاد ہے تو پھر اسی حدیث میں سے اپنی تائید کے الفاظ نکالنا اور اسے دلیل ششم بتانا کیا عقل، شرع، توحید کے خلاف نہ ہوگا ؟؟؟

۲- وہ مکتب اور کتابوں اور مشائخ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے علم لدنّی پائے گا۔''

ازالہ کے ۸۱۷ صفحہ پر مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ فضل احمد صاحب کے شاگرد ہیں اور مولوی مبارک علی صاحب مرزا صاحب کے استاد زادہ۔ اسی طرح اور بیسیوں استاد ہیں جن سے مرزا صاحب نے پڑھا اور علم حاصل کیا ہے۔ اندریں صورت مرزا صاحب اپنی نسبت کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ کسی کے شاگرد نہیں۔ ناظرین درحقیقت اس عبارت سے مرزا صاحب کا مقصود یہ ہے کہ نبی امی کا شرف خاص بھی اپنے اندر ثابت کریں۔ اور علمنی ربی فاحسن تادیبی کے مصداق اپنے آپ کو بھی ٹھہرا دیں لیکن ان کا یہ دعوی خود ان کے اقرار مندرجہ ازالہ ص ۸۱۷ سے غلط ہو گیا۔

۳- اور اس کی ضروریاتِ زندگی کا بھی خدا ہی متولی اور متکفل ہوگا''۔

رب کریم تو کل مخلوق کی ضروریات زندگی ہی کا متکفل اور متولی ہے۔ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے ﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾۔ فرماتا ہے ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ پھر مرزا صاحب کی خصوصیت کیا ہے۔ ہاں اگر وہ فرمائیں کہ لوگوں کو اسباب کے ذریعہ ملتا ہے اور ان کو بلا واسطہ اسباب۔ تو یہ بھی غلط ہے وہ زمینداری کا علاقہ جس نے حارث حراث آپ کو بنا دیا ہے اور نسل در نسل مغلیہ عہد سے خاندان میں چلا آیا ہے، کتنا بڑا سبب ہے۔ تصانیف کی آمدنی اور احباب کی

فتوح علاوہ براں۔ اب رہا متوکل نام ہونا۔ چندہ کے لیے ان کی بار بار درخواستوں اور التجاؤں نے توکل کی نفی ثابت کر دی ہے۔

(۷) مرزا صاحب کی ساتویں دلیل از انجملہ علامتِ مسیح یہ لکھی ہے کہ اس کے دم سے کافر مرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مخالف اور منکر کسی بات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ کیوں کہ اس کی کاملہ دلائل کے سامنے مر جائیں گے۔ سو عنقریب لوگ دیکھیں گے کہ حقیقت میں حجت اور دلیل اور بیّنہ کی رو سے مر گئے۔ (ازالہ ص ۶۹۹)

ناظرین اس بیان میں بھی چند غلطیاں ہیں:

۱- علامت مسیح یہ لکھی ہے کہ اس کے دم سے کافر مرے گا۔ مرزا صاحب یہ تو فرمائیں کہ یہ علامت کہاں لکھی ہے۔ کیا مسلم کی حدیث عن نواس بن سمعان میں؟ جس کے مضمون کو آپ نے شرک اور حماقت سے پر بتایا ہے۔ پھر اس حدیث سے استدلال مرزا صاحب کے لیے کیا ہوگا؟ وہ خود ہی فیصلہ دیں۔

۲- مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ اب تک تو ان کے دلائل سے کچھ کام نہیں نکلا۔ ہاں عنقریب ایسا ہو جائے گا۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ صفت ذاتی اپنے موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی۔ آپ مسیح بن کر تو آ گئے لیکن ہنوز مسیح موعود کی صفات سے رنگین نہیں ہوئے۔

(۸) مرزا صاحب کی آٹھویں دلیل۔ از انجملہ علامتِ مسیح موعود یہ ہے۔ ''جب آئے گا لوگوں کے عقائد اور خیالات کی غلطیاں نکالے گا۔'' مرزا صاحب آپ کے صدق اور کذب دعویٰ کا اسی پر امتحان ہے کہ آپ کسی حدیث سے یا آیت قرآنی سے یہ نکال کر دکھائیں کہ مسیح علیہ السلام مسلمانوں کے عقائد میں بھی غلطیاں نکالے گا۔ اگر آپ یہ الفاظ دکھلا دیں۔ تو آپ کے سچے ہونے میں کیا کلام ہے ورنہ خدا سے ڈریں۔ دل سے باتیں بنا بنا کر اتباع نفس و ہوا کیوں کرتے ہو؟

اسی بیان میں مرزا صاحب نے دو غلطیوں کا ذکر کیا ہے۔ جو مسلمانوں کے

عقاید سے نکال دی ہیں۔

۱- ''لوگ سمجھ رہے تھے کہ وہی مسیح ابن مریم نبی ناصری جو فوت ہو چکا ہے پھر دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ سو پہلے یہی غلطی ان کی دور کر دی گئی اور ان لوگوں کو سچا ٹھہرایا گیا، جو مسلمانوں میں سے مسیح کی موت کے قائل تھے یا عیسائیوں میں سے یونی ٹیرئین فرقہ جو اسی بات کا قائل ہے کہ مسیح مر گیا اور دنیا میں نہ آئے گا''۔ (۲۰۰)

اس بیان میں مرزا صاحب نے چند مغالطے دیے ہیں۔ اول یہ لکھ کر کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ وہی مسیح آئے گا جو نبی ناصری ہے جو فوت ہو چکا ہے۔ بیشک مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے کہ مسیح نبی ناصری ہی آئے گا مگر آپ نے الفاظ جو فوت ہو چکا ہے۔'' کو مسلمانوں کے اعتقاد سے منسوب کرنے میں پچھلے مسلمانوں پر افترا کیا اور حالیہ کو مغالطہ دیا۔

دوم یہ لکھ کر کہ ان لوگوں کو سچا ٹھہرایا گیا۔ جو مسلمانوں میں سے موتِ مسیح کے قائل تھے۔'' مرزا صاحب نے صاف مغالطہ دیا۔ ورنہ براہِ مہربانی وہ طبقہ بعد طبقہ دس دس مسلمانوں کے نام تو لیں جو وفات مسیح کے قائل تھے۔ دس نہیں تو پانچ ہی سہی ﴿وَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا﴾

مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں یا شاید کسی دوسری کتاب میں ایک پادری کے جواب میں کیا خوب تحریر فرمایا ہے۔ پادری کا اعتراض یہ تھا کہ جب شریعت توریت لا چکی اور فضل انجیل عنایت کر چکی تھی تو نبوت محمد ﷺ کی کیا ضرورت رہ گئی۔''

مولوی صاحب مرحوم نے فرمایا: عیسائیوں کا یہ منہ نہیں کہ ہم پر یہ اعتراض کر سکیں۔ کیا یہودیوں نے مسیح کو تسلیم کیا۔ کیا مریم صدیقہ کی نسبت بہتان لگانے سے وہ باز آئے۔ کیا وہ قائل نہ تھے کہ انجیل آسمانی کتاب نہیں۔ کیا وہ بڑے دعوے سے نہ کہتے تھے کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا ہے۔ کیا وہ پُر زور لفظوں میں نہ کہتے تھے کہ مسیح دوبارہ نہیں آ سکتا۔'' عیسائی سب کچھ سنتے تھے۔ مگر یہود کے حملوں کا کچھ جواب نہ

دے سکتے تھے۔ سیدنا محمد ﷺ نے عیسائیوں کو یہود کے ان حملوں سے بچایا۔ حضرت مسیح کے رسول اور کلمۃ اللہ ہونے کی گواہی دی۔ اُن کی نبوت کی تصدیق فرمائی۔ حضرت مریم کا صدیقہ ہونا ظاہر کیا۔ انجیل کو ہدایت اور نور بتلایا۔ مسیح علیہ السلام کے قتل وصلب کی قطعی اور تاکیدی الفاظ میں نفی کی۔ اور بالآخر ظاہر کر دیا: قال صلی اللہ علیہ وسلم للیهود ان عیسی لم یمت وانه راجع الیکم قبل یوم القیامة ۔''حضرت عیسیٰ ہرگز نہیں مرے وہ تو قیامت سے پہلے پھر دنیا میں آئیں گے۔'' اور ایک عام حکم لگا دیا کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا، جو حضرت عیسیٰ کو رسول اللہ اور اس کی ماں کو صدیقہ نہ سمجھے۔

ناظرین مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر کی تقریر کو دیکھئے کہ وہ نبوت محمد ﷺ کے اسباب بعثت میں سے ایک سبب عظمیٰ یہ بھی قرار دیتے ہیں کہ یہود کی غلط فہمیاں دور کی گئیں اور ان کو حیاتِ مسیح اور نزولِ مسیح کی خبر دی گئی اور اس کے متعلق ان کے عقائد میں جس قدر غلطیاں تھیں وہ رفع کردی گئیں۔ اب مرزا صاحب کی تقریر کو بھی ملاحظہ فرمایئے کہ آپ اس مقصد نبوت محمدیہ ﷺ کے خلاف پھر یہود کا وہی پہلا اعتقاد زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی تکذیب خود رسول کریم فرما چکے اور قرآن مجید ربانی طاقت سے یہود کے ان معتقدات کو جھٹلا رہا ہے۔ لوگو اگر ایک ایسے مسئلہ میں جس میں چھ سو سال سے برابر یہود اور نصاریٰ کی بحثیں چلی آتی تھیں اور جس کے فیصل کرنے کے لیے خدا نے بنی اسمٰعیل میں سے آخر الزماں پیغمبر بھیجا (تاکہ بنی اسرائیل کے دونوں گروہوں میں سے وہ کسی کا جنبہ دار نہ سمجھا جائے) اور اس نے، نیز اس پر اتری ہوئی آسمانی کتاب نے اس بحث اور جھگڑے کا فیصلہ کردیا۔ تم لوگ ایمان نہیں لاتے تو بجز اس کے کہ ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ عرض کیا جائے اور کیا ہوسکتا ہے۔ عمر فاروق زندہ ہوتے تو وہ دکھلا دیتے کہ جو شخص رسول خدا کے فیصلہ پر رضامند نہیں۔ اس کا فیصلہ کیا ہے؟

۲۔ دوسری غلطی مرزا صاحب نے جو نکالی، وہ بتلائی ہے کہ لوگ سمجھ رہے تھے

کہ مسیح وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی قبر میں دفن کیا جائے گا۔ لیکن وہ اس بے ادبی کو نہیں سمجھتے تھے کہ ایسے نالائق اور بے ادب کون آدمی ہوں گے جو آنحضرت ﷺ کی قبر کھودیں گے اور یہ کس قدر لغو حرکت ہے کہ رسول مقبول کی قبر کھودی جائے اور پاک نبی کی ہڈیاں لوگوں کو دکھائی جاویں۔''

ناظرین اس تقریر میں بھی چند مغالطے ہیں:

۱- تیرہ سو برس کے مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کا بھی یہ اعتقاد نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام آنحضرت کے لحد منور میں دفن کئے جائیں گے اور اس لیے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کھودی اور نبی پاک کی ہڈیاں نکالی جائیں گی۔ حیف حیف محض یہ جتانے کے لیے کہ ہم نے مسلمانوں کی کوئی غلطی نکال دی ہے پہلے تو مرزا صاحب نے مسلمانوں پر افتراء کیا کہ ان کا یہ اعتقاد تھا پھر اپنے اور ہمارے سید و آقا کی نسبت نہایت مکروہ الفاظ کا دانستہ شوخانہ طرز پر استعمال کیا۔ جس کو پڑھ کر ایک محب رسول کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے اور جسم لرز جاتا ہے۔ افسوس افسوس یہ الفاظ اس شخص کے قلم سے نکلے ہیں جس کو محبت رسول کا سب سے بڑھ کر دعویٰ ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

مسلمانوں کا بے شک یہ اعتقاد ہے کہ حضرتِ مسیح آنحضرت ﷺ کے مقبرہ منورہ میں مدفون ہوں گے۔ اس بارہ میں چند احادیث ہیں۔ اول حدیث عائشہ صدیقہ جس میں آپ نے درخواست کی کہ میں بھی آپ کے پہلو میں مدفون ہوں، فرمایا: نہیں، یہاں تو میں ابوبکر، عمر، عیسیٰ ابن مریم ہی مدفون ہوں گے۔ دوسری حدیث ابوداؤد، احمد و ابن حبان و ابن جریر کے یہ الفاظ ہیں: ويدفنونه عندنبينا ﷺ۔ ان کو مسلمان نبی ﷺ کے قریب دفن کریں گے۔ طبرانی اور ابن عساکر کی حدیث جس کو امام بخاری نے بھی تاریخ میں بیان کیا ہے، بہت ہی واضح ہے: يدفن عيسىٰ بن مريم مع رسول الله ﷺ وصاحبيه فيكون قبره رابعاً عیسیٰ ابن مریم ہمارے حضرت اور ان کے دونوں یاروں کے پاس دفن ہوں

گے اور ان کی قبر وہاں چوتھی قبر ہوگی (یعنی تین قبریں پہلی اور چوتھی یہ)

اب مرزا صاحب خیال کرلیں کہ ابوبکر اور عمر کس طرح پر دفن ہوئے ہیں۔ ابومودود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک میں اب تک ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ گو حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم نے چاہا بھی کہ یہ شرف ان کو حاصل ہو۔ مگر ارادت الہیہ میں جس کے لیے یہ زمین مقدر ہو چکی تھی اسی کے لیے اب تک خالی ہے۔

ازالہ کے دوسرے مقام پر مرزا صاحب کو یہ تو یاد نہیں رہا کہ روضہ رسول میں عیسیٰ ابن مریم کے دفن ہونے کو میں مسلمانوں کی غلطی اور اس غلطی نکالنے کو اپنے مسیح موعود ہونے کی دلیل بتا چکا ہوں۔ بلکہ صرف یہ خیال رہا کہ جو کچھ ابن مریم کے حق میں آچکا ہے وہ سب اپنے اوپر منطبق کرلوں لہٰذا نہایت صفائی سے اقرار کرلیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ روضہ رسول کی خالی زمین پر سرکنڈا مار کر کہہ رہا ہے کہ یہ تیرے دفن ہونے کی جگہ ہے (دیکھو ازالہ) اس عبارت کے بعد وہ سب اعتراضات جو مرزا صاحب نے ہم پر کئے تھے۔ ان پر لوٹ پڑے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس عقیدہ کو وہ مسلمانوں کی غلطی بتاتے تھے یہ خود ان کی غلطی ہے۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔ [1]

مرزا صاحب نے رسول پاک کی ہڈیوں کا جو ذکر کیا ہے یہ ان کی اور غلطی پر غلطی ہے۔ حدیث میں تو آچکا ہے، انبیا کے جسم زمین پر حرام ہوتے ہیں۔ یعنی وہ پاک جسم جوں کے توں پڑے رہتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے خدا کے ہاں میری عزت اس سے زیادہ ہے کہ میں چالیس دن تک اپنی قبر میں چھوڑا جاؤں۔ اگر آپ کو منصب رسالت کی عظمت کا خیال رہتا تو یہ لفظ زبان پر نہ آتا۔

(۹) مرزا صاحب کی نویں دلیل ازانجملہ ''مسیح موعود کی یہ علامت ہے کہ وہ

☆ حاشیہ: ا: مرزا صاحب ۱۹۰۵ء میں لاہور میں مرے۔ قادیان میں ان کی قبر موجود ہے۔ اب وہ خواب کی بات کدھر گئی (ہدایت اللہ))

نبی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پانے والا۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے۔''

ناظرین یہ سچ ہے کہ مسیح موعود نبی اللہ ہوگا۔ مسلم کی حدیث: عن نواس بن سمعان میں چند بار یہ الفاظ آئے ہیں۔ ویحصر نبی الله عیسی واصحابه فیرغب نبی الله عیسی واصحابه ثم یهبط نبی الله عیسی و اصحابه فیرغب نبی الله عیسیٰ واصحابه الی الله ۔عیسیٰ نبی اللہ کا لفظ اس رسول اور کلمۃ اللہ کی ذات والا صفات کے لیے ایسا ہی خاص ہے جیسے غلام احمد قادیانی مرزا صاحب کی ذات سے خاص ہے۔ مرزا صاحب نے بڑے دعویٰ سے لکھا ہے کہ غلام احمد قادیانی تمام دنیا پر بجز ان کے اور کسی کا نام نہیں۔ میں رب کریم کی قسم کھا کر اور اس ذات احد وصمد کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ابتدائے دنیا سے لے کر قیام قیامت تک عیسیٰ نبی اللہ بجز اس مریم کے بیٹے، بنی اسرائیل کے رہبر، صاحب انجیل بنی ناصری کے اور کسی کا نام نہیں۔ نہ ان سے پہلے کوئی عیسیٰ نبی اللہ ہوا اور نہ آیندہ کوئی ہوگا اور حدیث شریف میں انہی کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے پاس وحی جبرئیل کا آنا بھی ہمارا مذہب ہے۔ امام شوکانی اور نواب صدیق حسن صاحب نے اس پر بالتفصیل بحث کی ہے اور اس مذہب کی بناء بھی اسی حدیث نواس بن سمعان کے یہ الفاظ ہیں اذا اوحی الله الی عیسیٰ''

مگر مرزا صاحب پر افسوس ہے کہ مسیح موعود کی یہ علامت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نبی اللہ ہوگا، جس کے پاس وحی ربانی بھی آیا کرے گی اور بایں ہمہ اپنے ہی آپ کو مسیح موعود خیال کئے بیٹھے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم تشریف لائیں گے تو نہایت غیظ وغضب میں بھر کر فرماتے ہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ آیت خاتم النبیین روکتی ہے کہ کوئی نبی بھی آئے نیا ہو یا پرانا۔ یہ آیت تو سب کے لیے سدِّ راہ ہے پھر مسلمانوں کو نہایت تمسخر سے کہتے ہیں۔ اچھا اگر عیسیٰ نبی اللہ ہی آئے اور ان پر وحی بھی اتری تب تو ایک نیا قرآن اور بن جائے گا۔ یہ

قرآن ۲۳ سال میں اتنا اترا ہے تو حضرت عیسیٰ کا چہل (۴۰) سالہ اقامت میں اس سے دوگنا قرآن جدید ہو جائے گا۔ مسلمان کلمہ بھی ان کا ہی پڑھنے لگیں گے۔ یہ سب کچھ لکھ کر جواب اپنے آپ کو نبی اللہ بنانے اور وحی الٰہی کا مہبط قرار دینے کی ضرورت پڑتی ہے تب بے چون و چرا مسیح موعود کی علامت میں سے اس کا نبی اللہ اور وحی پانے والا ہونا بھی تسلیم کر لیتے ہیں مگر اس لیے کہ ان کی وہ تلوار جو مسلمانوں کے لیے کھینچی تھی، اُن ہی پر الٹ کر نہ جا لگے۔ یوں فرماتے ہیں اس جگہ نبوت تامہ کاملہ مراد نہیں بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے۔ ناظرین ایسی تفسیر اور شرح کی نسبت ہی مـالا یرضی بہ قائلہ کہا کرتے ہیں کہ حدیث میں نبی اللہ ہے اور مرزا جی اس سے محدثیت کو تعبیر کرتے ہیں اور لطف یہ کہ محدثیت تعبیر کرنے کے بعد اپنے آپ کو وحی پانے والا بدستور قائم رکھتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ جب آپ کو حسب الہام خود ہشتاد سالہ عمر تک پہنچنا ہے اور وحی آپ پر بھی آتی ہے تو آپ کا قرآن کس قدر بڑھ جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو جس قسم کی وحی آئے گی اس کا ذکر اسی حدیث میں موجود ہے اذا وحی الله الی عیسیٰ انی قد اخرجت عبادا لی لا یدان لاحد بقتالھم فحرز عبادی الی الطور۔ ''خدا حضرت عیسیٰ کے پاس وحی بھیجے گا کہ میں نے اپنے ایسے بندے نکالے ہیں کہ ان سے لڑائی کی کسی کو طاقت نہیں۔ سو تو میرے مسلمان بندوں کو طور پر پناہ میں لے جا۔'' اور ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ وحی احکام و شرائع پر مشتمل نہ ہوگی۔ ہاں اب مرزا صاحب کی وحی کو دیکھنا چاہیے کہ آپ جا بجا براہین احمدیہ کی عبارتوں کو دلیل اور مقابلہ کے وقت اس طرح پر پیش کرتے ہیں۔ گویا یہ عبارتیں بھی قرآن مجید کی مانند تمام مسلمانوں پر حجت شرعیہ ہیں۔ جس طرح اکابر دین نزاع فیما بین کے وقت کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کو پیش کیا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب براہین کی عبارتیں اس طرح ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کو وحی ربانی جانتے ہیں اور

تھوڑے دن کے بعد وحی متلو کا درجہ اس کو عطا فرمانے والے ہیں۔
(۱۰) مرزا صاحب کی دسویں دلیل از انجملہ مکاشفات مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی مسیح موعود ہونے کی علامت ہیں۔ حافظ محمد یوسف راوی ہیں کہ مولوی صاحب نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے یہ پیشگوئی کی تھی ایک نور آسمان قادیاں کی طرف نازل ہوا۔ مگر افسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔''

ناظرین اول تو کشف خود ہی اعتبار کی شی نہیں۔ مولوی عبد اللہ صاحب بیچارہ تو ایک ادنی امتی ہی تھے۔ مرزا صاحب کا ایک اولوالعزم رسول کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کا مکاشفہ کچھ بہت صاف نہیں تھا۔ (ازالہ ۶۹۲)

پس جب ایک رسول کا کشف مکدر تھا تو مولوی صاحب کے کشف کا کیا درجہ رہا۔

دوم اس کا راوی بھی اب قابل اعتماد رہا نہیں۔ کیونکہ اس کشف کی روایت اس نے مرزا صاحب کا مرید ہونے اور آپ کے دعوے سے پہلے نہیں کی۔ [1]

سوم الفاظ کشف کی خصوصیت سے مطابقت مرزا جی آپ کی ذات سے ذرا بھی نہیں۔ بالفرض قادیان میں نور اترنا ایک کشف میں معلوم ہوا مگر اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ نور خود مرزا جی ہی ہیں۔ اچھا وہ ہی سہی۔ پھر بھی مسیح موعود ہونے کی علامت اس خواب میں کچھ بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اگر اس کشف کا تعلق مرزا جی کی ذات سے ہو تو آپ ایک صالح مرد ثابت ہو سکیں گے اور جب تک اسی حالت میں مرزا صاحب نظر آئیں گے۔ جس حالت میں صاحب کشف کے زمانہ میں تھے وہ صلاحیت ان میں پائی جائے گی۔

چہارم یہ الفاظ جو راوی کشف نے بیان کیے ہیں اپنی بطلان پر اپنے اندر ہی شہادت موجود رکھتے ہیں۔ وہ شہادت ان الفاظ میں ہے: ''مگر افسوس میری اولاد

☆ حاشیہ: ۱: حافظ محمد یوسف صاحب نے خود مرزا کی بیعت سے رجوع کیا۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے استاد عبد اللہ غزنوی مرحوم سے کچھ نہ سنا تھا (ہدایت اللہ))

اس سے محروم رہے گی۔'' وجہ بطلان یہ ہے کہ مولوی عبد اللہ صاحب کا اولیاء الرحمٰن سے ہونا ہمارے اور مرزا جی کے نزدیک مسلم ہے اور اولیاء الرحمٰن کے آثار بیان کرتے ہوئے مرزا صاحب نے سب سے آخری اثر اور علامت ان کی یہ لکھی ہے کہ خدا تعالیٰ کئی پشتوں تک ان کی اولاد اور ان کے جانی دوستوں کی اولاد پر خاص طور پر نظر رحمت رکھتا ہے (ازالہ ۴۴۸) پس ثابت ہوگیا کہ راوی کے وہ الفاظ غلط اور باطل ہیں اور جیسا کہ آپ اولیاء الرحمٰن کے آثار میں لکھ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت مولوی صاحب مرحوم کی اولاد پر برابر ہے اور وہ بھی اپنے نامور باپ کی طرح اتباع سنت میں کامل اور نہایت معمور الاوقات ہیں۔

(۱۱) مرزا صاحب کی گیارھویں دلیل از انجملہ ایک کشف ایک مجذوب کا ہے جس کو کریم بخش نمازی نے بیان کیا (اور کریم بخش کے پابند صوم وصلوٰۃ ہونے کی گواہی پچپن[۱] شخصوں نے دی) کہ گلاب شاہ نے ۱۹۱۷ میں اس سے کہا تھا کہ عیسیٰ قادیان میں ہے اور اب جوان ہوگیا ہے وہ لدھانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔ عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ تو مرگیا وہ نہیں آئے گا۔'' ہم بادشاہ ہیں جھوٹ نہیں بولیں گے۔ (ازالہ ۷۰۹)

ناظرین یہ کشف سراسر لغو اور غلط ہے۔ کریم بخش کا بیان ہرگز قابل توثیق نہیں۔ اور کسی مجذوب کو رسول معصوم کے خلاف لب کشائی کی ہرگز جرأت نہیں۔ کوئی کشف احادیث صحیحہ ومرفوعہ کی تکذیب نہیں کرسکتا اور سید الانبیاء کے ارشادات کی صحت کی معیار کسی شخص کا کشف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اول تو کریم بخش کی مضطرب بیانی ہی کو دیکھئے کہ لوگوں کے سامنے جو اظہار دیا ہے، اس میں بیان نہیں کیا کہ عیسیٰ کا نام بھی مجذوب نے اسے بتایا تھا۔ بلکہ بعد میں کریم بخش نے آکر یہ کہا کہ ایک بات بیان کرنے سے رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ

☆ حاشیہ: ۱: ان پچپن آدمیوں پر بھی نظر ڈالو جو یہاں کریم بخش کی توثیق کرتے ہیں۔ انھی میں مشرک اور کافر بھی ہیں اور انھی میں جاہل اور نادان بھی، جو توثیق وتصدیق کو نہیں جانتے، انھی میں بعض مرزا صاحب کے مرید بھی۔

مجذوب نے مجھے صاف صاف یہ بھی بتلا دیا تھا کہ عیسیٰ کا نام ''غلام احمد'' ہے۔ دیکھو تمام خبر کا عطر اور تمام کشف کی جان تو یہی نام تھا۔ اور وہی کریم بخش سے ابتدائی بیان میں چھوٹ گیا تھا تو اب اس کے حافظہ اور یاد پر کیا بھروسہ ہوسکتا ہے۔

رسالہ نشانِ آسمانی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو بھی میاں کریم بخش کی جانب سے شک ہوا۔ اور انہوں نے ازالہ اوہام میں اس کی شہادت دینے کے بعد کسی نا معلوم وجہ کے باعث اس کو مکرر طلب کر کے اس کی شہادت پھر لی اور اس شہادت لینے سے پہلے اس کو مکرر قسمیں دلائیں۔ پھر جب اس کا بیان لکھا گیا تو اس میں اور بھی زیادہ اضطراب نظر آیا۔ ازالہ میں اس کا بیان ہے کہ مجذوب صاحب نے کہا تھا کہ عیسیٰ قادیان میں ہے۔ تب میں نے کہا قادیان تو لدہانہ سے تین کوس ہے وہاں عیسیٰ کہاں ہیں۔ اس کا انہوں نے جواب نہ دیا اور مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ ضلع گورداسپور میں کوئی گاؤں ہے جس کا نام قادیاں ہے۔ نشان آسمانی میں اس نے بیان کیا ہے۔ میں بھول گیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ قادیاں ضلع گورداسپور میں عیسیٰ ہے۔''

ناظرین یہ ایسی فاش غلطیاں ہیں جو کسی راوی میں روا نہیں رکھی گئیں۔ قابل غور ہے کہ جس راوی میں ضبط اور عدالت ہی موجود نہیں تو خود وہ کیا اور اس کی راویت کیا۔ مرزا صاحب نے پچپن آدمیوں سے کریم بخش کے پابند صوم وصلوٰۃ ہونے کی شہادت لینے میں بے سود محنت فرمائی۔ جناب موصوف خوب واقف ہیں کہ راوی کا صرف پابند صوم وصلوٰۃ ہونا ہی اس کو ثقہ نہیں بنا سکتا افسوس ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث کا انکار کرنے کے لیے تو حضرت نواس بن سمعان؄ صحابی رسول تک کی ذات پر بھی حملہ کرنے میں آپ تامل نہ کریں اور کریم بخش پر اتنا اعتقاد کر لیں کہ متن اور رؤس معانی میں اس کا اضطراب ثابت ہو جانے کے بعد بھی اس کو ساقط العدالت نہ ٹھہرائیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

حقیقت یہ ہے کہ اس کشف کے مضامین سراسر عقل اور شرع کے مخالف پڑے ہوئے ہیں جس کو تھوڑا سا بھی ذہن سلیم دیا گیا ہے وہ اس کشف کے صریح البطلان ہونے میں ذرا تامل نہ کرے گا۔

مرزا صاحب ازالہ کے ۶۹۱ صفحہ پر لکھتے ہیں۔'' ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت پر ابن مریم [۱] اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبہ مومنکشف نہ ہوئی ہو۔ اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج کی عمیق تہ تک وحی الٰہی نے اطلاع دی ہو۔ اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کماھی ظاہر فرمائی گئی ہو اور صرف (امثلہ قریبہ اور صور متشابہ اور امور متشاکلہ کے

☆ حاشیہ: ۱: ناظرین ذرا خیال فرمائیں مرزا صاحب فرماتے ہیں :ابن مریم میں ہوں، دجال پادری ہیں، یاجوج انگریز، ماجوج روس، دابۃ الارض علماء ظاہر گویا ان الفاظ کی حقیقت کاملہ یہی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ ان کے اس مذہب کی کیا بناء ہے کہ آنحضرت پر بن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے منکشف نہ ہوئی ہو۔'' کیوں کہ اس حقیقت کاملہ کے لیے جو مرزا صاحب نے ان الفاظ کی خود بیان کی ہے کسی اور نمونہ کے موجود ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ پادری بھی عہد نبوی میں لاکھوں موجود تھے۔ اور امتی بھی نمونہ کے کیا معنی نوع موجود تھے۔ جس کے ایک فرد ابن مریم اور ایک یا چند کو دجال لقب پانا تھا۔ آپ صاف فرما دیتے ۔ یہ پادری دجال ہیں۔ اسلام میں فتنہ پھیلائیں گے۔ میری امت سے ایک شخص ہندوستان پنجاب میں قادیان گاؤں سے غلام احمد نامی پیدا ہو کر ان کے دلائل کی بیخ کنی کر دے گا مگر آنحضرت نے تو ایسا نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ اگر احادیث میں مرزا غلام احمد ولد غلام مرتضیٰ قادیاں پنجاب ہندوستان چودھویں صدی کے نام صاف صاف طور پر ہوتے تو اس سے انکار کر کے مرزا صاحب کے نہ ماننے والے کو خود مرزا صاحب ہی خلود نار کا فتویٰ دیتے۔ جب کہ باوجود نہ ہونے ان تعینات کے آپ

طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قوی کے ممکن ہے، اجمالی طور

☆بقیہ حاشیہ: اپنے منکرین کو ایک حد تک مستوجب سزا لکھ چکے ہیں۔ اب دیکھئے اس سے بھی بڑھ کر احادیث میں صاف صاف نام موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد کی جگہ عیسیٰ نبی اللہ ہے مرزا غلام احمد تو دنیا میں ہزار ہو سکتے ہیں مگر عیسیٰ نبی اللہ ان کے سوا کوئی بھی نہیں۔ ولد غلام مرتضی کی جگہ ''ابن مریم'' ولد غلام مرتضی بھی سینکڑوں مگر قرآن وحدیث میں ''ابن مریم'' بجز عیسیٰ اور کوئی نہیں۔ قادیان پنجاب ہندوستان کی جگہ احادیث میں دابق، قسطنطنیہ، دمشق۔ باب لد، مکہ، مدینہ روضۂ رسول کے نام ہیں۔'' افسوس جس نبی پاک کا بیان اطلاع اخبار آئندہ (پیشگوئی) میں ایسا واضح ہو جیسا کہ کسی جغرافیہ دان سیاح کا ممالک سیر کردہ کے متعلق ہوتا ہے۔ مرزا صاحب اس کی نسبت ''منکشف نہ ہونا'' بیان کریں۔ یاجوج ماجوج انگریز اور روس ہیں تو ان میں کون سی ایسی عمیق تہہ ہے کہ وحی الٰہی نے سید الانبیاء کو بھی اطلاع دینے میں اس سے بخل کیا ہو۔ دابۃ الارض اگر علماء ظاہر ہیں تو اس کی کون سی ماہیت ایسی ہے جو کماحقہ آنحضرت پر ظاہر نہ ہوئی ہو۔ ناظرین ابن مریم یاجوج ماجوج دابۃ الارض ایسے الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں آتے ہیں۔ اپنے لیے تو مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کے تمام اسرار، جمیع رموز، سارے بطون، جملہ حقائق اور سب کے سب دقائق مجھ پر کھولے گئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے لیے جن پر قرآن مجید نازل ہوا جن کے فرمانے سے ہم نے قرآن سمجھا، یہ اعتقاد کہ آنحضرت ان الفاظ قرآنی کے مفہوم سے بھی ناآشنا محض تھے۔ ہاں نہ صرف آنحضرت پر ان الفاظ کی حقیقت سے نسبت جہل دی گئی ہے بلکہ خدا پر بھی کہ اس کے وحی نے ہی نہ بتلایا ہو۔ ان الفاظ کو ایک منصف مذہب کا شخص بھی ایک مسلمان کے منہ سے پسند نہیں کرسکتا۔ میں نے اس تقریر میں دجال کے گدھے کا ذکر نہیں۔ کیا وجہ یہ ہے کہ صحاح ستہ میں بھی اس گدھے کا کہیں ذکر نہیں مرزا صاحب کو جہاں تاویل کرنی آتی ہے، وہاں تو خواہ کوئی کلام ہو اور کیسی ہی ہو، اس کو فوراً ہی مان لیتے ہیں اور جس کی تاویل سے عاجز ہو جاتے ہیں خواہ وہ مسلم کی حدیث ہو یا بخاری کی، وہ ان کے نزدیک قرآن کے مخالف ہے۔

پر یہ سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب (۱) کی بات نہیں مرزا جی کی یہی عبارت اس کشف کے خلاف عقل وشرع ہونے کی کافی دلیل ہے۔

عقل کے خلاف اس کشف کے مضمون اس لیے ہیں کہ مرزا صاحب نے تسلیم کرلیا ہے کہ ''جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قوی کے ممکن تھی، آنحضرت کو سمجھایا گیا۔ مگر حقیقت کاملہ اور اصل کیفیت معلوم نہ ہوسکی۔'' اس کے یہ معنی ہیں کہ جس قدر غیب محض کے وقائع انسانی قویٰ کو سمجھائے جاسکتے تھے، وہ اسی قدر ہیں جس قدر آنحضرت کو سمجھا دیے گئے۔ اس سے بڑھ کر سمجھنا انسانی قوی کے امکان سے باہر ہے۔ عقل جانتی ہے کہ جو خاصہ جنس کو حاصل نہیں وہ فرد کو بھی حاصل نہیں ہوسکتا اور جو حقائق انسان کامل کے مکمل انسانی قوی کے امکان سے برتر واعلی تھے، وہ انسان ناقص کے کمزور قوی سے ضروری ہی برتر واعلی ہوں گے اور اسی لیے محال ہے کہ ایک مجذوب کو وہ حقیقت معلوم ہوجائے جو آنحضرت سے پوشیدہ رکھی گئی۔

شرع کے خلاف اس لیے ہیں کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

۱۔ ﴿اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾

ترجمہ! ''خدا وہ ہے جس نے ذکر تم پر نازل کیا تا کہ تو لوگوں کو واضح کردے کہ قرآن میں ان کے لیے کیا اتارا گیا ہے۔

۲۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾

ترجمہ! ''خدا وہ ہے جس نے ان پڑھے لوگوں میں اپنا رسول بھیجا۔ جو خدا کی آیتیں پڑھتا، لوگوں کو پاک صاف بناتا، کتاب اور

☆ حاشیہ: ۱: مرزا جی کے نزدیک تعجب کی بات نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک تو یہ بالکل محال ہے کہ خداوند کریم جس کو الم نشرح لک صدرک فرمائے۔ وہی الفاظ قرآنی کے مفہوم اور حقیقت سے بے خبر ہو ۱۲

حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے یہ لوگ گمراہی میں تھے۔

۳- ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً﴾

ترجمہ! ''آج خدا نے تمہارا دین کامل کر دیا اور الٰہی نعمت کو تمام کر دیا اور خدا خوشنود ہے کہ تمہارا دین اسلام ہو۔''

اگر مجذوب کی باتیں صحیح مان لی جائیں تو ان آیات کی تکذیب لازم آتی ہے اور اسی لیے الفاظ کشف سراپا غلط ہیں۔

مجذوب کا یہ کہنا کہ ہم بادشاہ ہیں ہم جھوٹ نہ بولیں گے۔'' رسول کریم ﷺ کے قسمیہ کلام والذی نفسی بیدہ سے زیادہ بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ فرضی بادشاہ تو جھوٹ نہ بولے اور اصل حقیقت ظاہر کر دے اور وہ سلطان الاصفیا سید الانبیاء اصل حقیقت کے خلاف دروغ بیان کریں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اَيُّهَا النَّاسُ ﴿ءَ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ اَمْ اَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِباً فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرُ﴾

(۱۲) مرزا صاحب کی بارہویں دلیل۔ ازانجملہ اس عاجز کے مسیح موعود ہونے پر یہ نشان ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کی خصوصیت کے ساتھ یہ علامت ہے کہ دجال معہود کے خروج کے بعد نازل ہو۔ خروج دجال کا زمانہ آیت ﴿اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْنَ﴾ سے ثابت ہے۔ کیوں کہ اس آیت کے اعداد ۱۲۷۴ ہجری ۱۸۵۷ء کے مطابق ہیں۔ سو درحقیقت ضعف اسلام کا یہی زمانہ ہے اور خروج دجال کا بھی یہی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائے گا چنانچہ اس زمانہ سے قرآن اٹھایا گیا۔ اب میں ان حدیثوں کے موافق جن میں لکھا ہے کہ ایک مرد فارسی الاصل دوبارہ قرآن کو زمین پر لانے والا ہوگا، میں قرآن کو آسمان پر

سے لے آیا ہوں (ازالہ ۲۱/۷/۲۵/۷)

ناظرین یہ بیان بھی مغالطے اور سقم سے بھرا ہوا ہے:

کسی آیت کے اعداد نکال کر مضمون آیت کو اعداد جمل سے متعلق سمجھنا اور اس کے مضمون کے لیے اسی زمانہ کو خاص متعین کر دینا ایسا لغو بیان ہے جس میں ایک ذرہ برابر بھی سمجھ ہوگی وہ اس کی لغویت کو فوراً معلوم کر سکتا ہے۔

کسی آیت سے اعداد نکالنے سے پہلے اور اس اعداد کے زمانہ کو مضمون آیت سے تعلق دینے سے بیشتر مرزا صاحب پر یہ فرض تھا کہ وہ اعداد جمل کو بھی الٰہی تعلیم ثابت کر دیتے اور بتلاتے کہ الف کا ایک اور ز کے ۶۰۰ اور ص کے ۹۰ ہونے کا ثبوت کس حدیث یا آیت سے ملتا ہے۔ اعداد جمل تو اک طرف، خود سنہ ہجری بھی جو مرزا صاحب نے نکالا ہے اور اس کو اس آیت میں مراد ربانی بتلایا ہے، زمانہ نزول قرآن اور حیات پیغمبر علیہ السلام کے بعد مقرر ہوا ہے اور اس سنہ کا رواج بھی ایک اتفاقی امر ہے نہ کہ وہبی جو ارباب تواریخ سے پوشیدہ نہیں۔ برف پر پتھر کی عمارت بنانا اسی کا نام ہے کہ ایسی ایسی وجوہ پر بناء استدلال قائم کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آیات کے مضامین کو اعداد جمل سے متعلق کیا جائے اور اس مضمون کا زمانہ اعداد سے متعین کر دیا جائے تو نصف سے زیادہ قرآن مختص بہ بعض ہو جائے گا اور اس کا عامہ ناس کے لیے ہدایت اور نور اور واجب الاذعان ہونا صحیح نہ رہے گا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ قرآن مجید سے اعداد جمل کے موافق تاریخ نکالنا ایک جسارت ہے اور اس پر یقین کرنا کہ آیت کا تعلق بھی زمانہ اعداد سے ہے، گو نہ کفر ہے۔

مسلمان بادشاہوں کی تاریخوں اور شاعروں کی تصانیف کو کھول کر ملاحظہ کیجئے کہ بیسیوں آیات سے اعداد جمل نکالے گئے ہیں تو کیا مرزا صاحب ان کو بھی یقین کرتے ہیں کہ ان آیات کا تعلق اسی زمانہ اعداد سے ہے۔

۱۔ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

ایک ایسی آیت جو مسلمانوں کو اپنے امیر اور حاکم کی اطاعت کرنے کا حکم

دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد قیامت تک جس قدر امیر ہوئے ہوں گے ہمارا اعتقاد ہے کہ سب کی اطاعت کرنے کی یہ آیت حکم دے رہی ہے۔ اگر اس کے اعداد پر خیال کیا جائے تو ۱۰۶۸ ہجری ہوتے ہیں۔ سید عبد الرشید تتوی نے یہی آیت جلوس اور نگ زیب کی تاریخ میں پیش کی تھی۔ اعداد پر ایمان لانے والوں کو چاہیے کہ نہ عالمگیر کے سوا کسی کو امیر المومنین سمجھیں اور نہ کسی اور کی اطاعت کو اپنے ذمہ واجب کریں۔

۲- ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

شیخ ابوالفیض فیضی کی تفسیر ''سواطع الالہام'' کی تاریخ تصنیف ہے۔ لازم ہے کہ اس سورۃ کو وصف رب العالمین نہ سمجھیں۔

۳- ''الصلح خیر'' شاہ طہماسپ صفوی اور سلطان روم میں باہمی مصالحت کی تاریخ ہے۔ لازم ہے اب زن و شوہر کے متعلق اس کو قرآن کا حکم خیال نہ کریں۔

۴- ﴿غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَى الْاَرْضِ﴾ امیر تیمور کی فتح روم کی تاریخ ہے۔ آیت کا ترجمہ بھی اسی کا موید ہے (گو شان نزول مخالف ہو) یعنی ''روم'' ادنی الارض میں مغلوب کیا گیا۔ تاریخ نکالنے والے نے لفظ ارض کے حروف ادنی یعنی ض سے تاریخ نکالی ہے۔ اب مناسب ہے کہ امیر تیمور کے جنگ کو جنگ مقدس قرار دیں، جس کی تاریخ خود خدا بیان کر رہا ہے۔

۵- ﴿رَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ﴾ عالمگیر کی تاریخ انتقال ہے۔ آپ کو اقرار کرنا چاہیے کہ سوائے عالمگیر کے اور کسی کو یہ نعمتیں نہ ملیں گی۔ ورنہ کم سے کم اس بادشاہ کے قطعاً جنتی ہونے کا جیسا اہل السنّت والجماعت کو اصحاب بدر، بیعت الرضوان، عشرہ مبشرہ، خلفاء اربعہ کی نسبت ہے) ضروری ہے دعوی کیجئے اور ایسی سینکڑوں تاریخیں ہیں اور اگر ان پر مرزا صاحب کا یقین نہیں تو آیت ﴿وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ﴾ کو کیوں اعداد سے متعلق کرتے ہیں۔

ناظرین جب یہ اصول ہی غلط ٹھہرا تو اب مرزا صاحب کو لازم ہے کہ خروج دجال معہود کا اور کوئی ثبوت شرعی پیش کریں اور تب مسیح موعود ہونے کے دعویدار ہوں اور اس دعویٰ کے لیے بھی پھر ثبوت شرعی ظاہر کریں۔ ازالہ کے ۱۸۵ صفحہ پر آپ نے لکھا ہے کہ مجھے کشفی طور پر ''غلام احمد قادیانی'' کے الفاظ پر توجہ دلائی گئی۔ جس کے عدد پورے تیرہ سو ہیں جس سے معلوم ہوا کہ الآیات بعد المائتین سے یہی عاجز مراد ہے اور میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں۔''

ناظرین یہ تاریخ گویا مسیح موعود ہونے کا اعلیٰ ثبوت ہے جو مرزا صاحب نے ایسے پر زور الفاظ میں پیش کر دیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ''غلام احمد قادیانی'' ایسے الفاظ ہیں جو مدح یا ذم کچھ بھی ظاہر نہیں کرتے جو اپنے مسمی کے صدق یا کذب پر ذرا بھی شہادت نہیں دیتے۔ اگر اعداد بھی حجت بن سکتے ہیں اور تاریخ بھی دلیل وثبوت کا رتبہ پا سکتی ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کے اس کشف سے راقم کا کشف بدر جہا صاف و برتر ہے۔ جب مرزا صاحب نے دہلی جا کر شیخنا وشیخ الکل سے درخواست بحث ومناظرہ کی اور طرفین کے مطبوعہ اشتہارات پٹیالہ میں پہنچے تو میرے دل میں آیا کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے فوراً میرے دل میں ڈالا گیا ''مولوی سید نذیر حسین دہلوی'' میں نے جب اعداد شمار کئے تو پورے ۱۳۰۹ ہجری جو سنہ مناظرہ تھا۔ ظاہر ہے کہ مولوی اور سید ایسے دو لفظ ہیں جو اپنے مسمی کے شرافت ذاتی وعلمی اور اعزاز حسبی ونسبی پر دلالت کر رہے ہیں اور یہ بھی میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آج دنیا پر ''مولوی سید نذیر حسین دہلوی'' شیخنا وشیخ الکل کے سوا جن سے مرزا صاحب مناظرہ کرنے کے شوق میں دہلی پہنچے تھے اور کسی کا نام نہیں۔ برادر عزیز قاضی عبد الرحمٰن کے دل میں ایسا ہی خیال کرنے پر یہ الفاظ ڈالے گئے: سید محمد نذیر حسین دہلوی اس کے اعداد بھی پورے ۱۳۰۹ھ ہیں ﴿وَذَلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ ایک دفعہ پھر اسی عزیز کے دل میں یہ الفاظ ڈالے گئے۔ ''غلام احمد قادیانی'' مسیح موعود ہر

گز نہیں۔ اعداد شمار کرنے پر پورے ۱۸۹۱ء نکلے جو مرزا صاحب کا سنہ دعوی ہے۔

مرزا صاحب نے اسی موقعہ پر آیت ﴿وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْنَ﴾ سے یہ ثابت کر کے کہ قرآن مجید ۱۲۷۴ء میں آسمان پر اٹھا یا گیا تھا پھر لکھا ہے اب میں اس قرآن کو پھر زمین پر لے آیا ہوں جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ تھا "لوکان الایمان معلقا عند الثریا لنا له رجل من فارس "(ازالہ ۷۲۷)

ان کے اس دعوی اور استدلال میں چند امور غور طلب ہیں:

۱- مرزا صاحب کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ ذھاب بہ میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع قرآن مجید ہی ہے۔ اس آیت سے ماقبل و بعد کی آیتیں ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ دعوی ہی غلط ہے کہ ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے۔ آیات پر غور کرو

﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقَادِرُوْنَ فَاَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِنْ نَخِيْلٍ وَاَعْنَابٍ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ﴾

ترجمہ! ہم نے آسمان سے پانی اندازہ کے موافق اتارا اور ہم اس کے دور کردینے پر قادر ہیں پھر ہم نے پانی سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے۔ اُن باغوں میں بہت میوے ہیں جن سے تم کھاتے ہو۔"

آیت میں صاف طور پر ماء کا لفظ موجود ہے۔ جس کی طرف ذھاب بہ اور بہ جنت کے ضمائر کا مرجع ہے لیکن اگر اب بھی مرزا صاحب اپنی ہٹ پر ہی قائم رہے تو ان کو مناسب ہے کہ جس طرح ذھاب بہ کی ضمیر کا مرجع قرآن شریف کو قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بہ جنت کی ضمیر کا مرجع بھی قرآن شریف ہی کو قرار دیں۔ اور پھر ہم کو ترجمہ بھی کر کے دکھلا دیں۔

۲- مرزا صاحب قرآن مجید سے قرآن مجید کا زمین سے اٹھایا جانا تو ثابت کرتے ہیں۔ مگر قرآن مجید سے اس کا دوبارہ آنا ثابت نہیں کرسکتے قرآن کے دوبارہ زمین پر آنے کا ثبوت مرزا صاحب ایک حدیث سے دیتے ہیں اور یہ وہی طرز استدلال ہے جس پر خود مرزا صاحب حیات ووفات مسیح میں علماء پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ بزعم خود آیات قرآنیہ سے وفات مسیح ثابت کرتے ہیں اور علماء کرام اس کے مقابلہ میں احادیث رسول متضمن حیات مسیح کو پیش کرتے ہیں تو آپ فرمایا کرتے ہیں کہ قرآن مجید قطعی اور متواتر ہے اور احادیث ظنی یا زیادہ سے زیادہ مفید ظن لہٰذا جب قرآن مجید سے وفات مسیح ثابت ہوچکی۔ تو پھر حدیث ان کی حیات کو ثابت نہیں کرسکتی۔ پس اسی طرح اے جناب مرزا صاحب جب قرآن مجید سے قرآن مجید کا بقول آپ کے ۱۲۷۴ھ میں دنیا سے اٹھ جانا ثابت ہوچکا تو اب اس کا دنیا پر موجود ہونا آپ ثابت نہ کرسکیں گے کیوں کہ آپ کا قابل اعتراض طرز استدلال اگر علماء کے لیے جائز نہیں تو آپ کے لیے بھی کیوں جائز ہوسکتا ہے۔

۳- مرزا صاحب نے اپنے فارسی النسل والاصل ہونے کا ثبوت کچھ بھی نہیں دیا بلکہ سمرقندی الاصل ہونے کا اقرار ازالہ ۱۲۰ صفحہ پر کرلیا ہے جس نے کسی پرائمری مدرسہ میں بھی جغرافیہ کی تعلیم پائی ہے اور نقشہ ایشیا ایک آدھ دفعہ بھی دیکھا ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ سمرقند فارس میں نہیں ہے اور اس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ مرزا صاحب حسب اقرار خود فارسی الاصل نہیں۔ اب رہا سمرقندی الاصل ہونا سو یہ بھی غلط ہے ان کا یہ بیان شاید صحیح ہو کہ بادشاہ چغتائی کے زمانہ میں ان کے اجداد سمرقند میں رہتے تھے اور پھر دہلی آگئے۔ مگر جس طرح پر مرزا صاحب نویں صدی سے چودھویں صدی تک ہندوستان میں رہنے سہنے اور بود وباش کرنے سے ہندی الاصل نہیں بنے اور نہیں کہلائے اسی طرح سمرقند میں چند روزہ قیام آباء واجداد سے وہ سمرقندی الاصل بھی نہیں ہوسکتے۔ تحقیق انساب واقوام والے فاضل ایسے ادھورے اور ناقابل اطمینان بیان پر اعتبار نہیں کرسکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ مغول ہیں۔ اور مغول ہی

مرزا کہلاتے ہیں۔ وہ پہلا بچہ جس کا نام والدین نے مغول رکھا تا تاری الاصل ہے جس کی نسل چینی تا تار اور دامان تبت میں پھیلی ہوئی ہے۔ چنگیز خاں ہلاکو خاں وغیرہ اسی نسل سے ہیں۔ ابوالفضل (جس نے سب سے پہلے خاندان مغول میں الہام، کشف، ولایت، معبودیت اور محبوبیت کے شرف ثابت کرنے میں بہت کچھ کوشش کی ہے اور جس کی تحریروں کو مرزا صاحب نے بطور ارہاص سمجھ کر غالباً ان سے فائدہ بھی اٹھایا ہے) اسی تحقیق پر جزم کرتا ہے اور یہ سب تاریخی واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ مرزا صاحب جو حدیث لنا له رجل کے حوالہ سے فارسی الاصل بنے تھے اور حدیث حارث حراث کے حوالہ میں سمرقندی الاصل ہونے کے مدعی ہوئے تھے، وہ درحقیقت نہ فارسی الاصل ہیں نہ سمرقندی بلکہ تا تاری ہیں اور اس قوم میں سے ہیں جس کو ابوداؤد کی حدیث میں امت کی ہلاک کنندہ قوم فرمایا گیا ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے ایک عالی نسب کی جانب خواہ مخواہ نسبت پیدا کرنے کے لیے اتنے اینچ پینچ ڈالے اور اس حدیث کے مورد خود ہی بنے جس میں نسب بدلنے والے کے لیے سخت وعید ہے حتی کہ اس کا روزہ ونماز بھی قبول نہیں ہوتا۔ ان کو اور ان کے مریدوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ جب مرزا صاحب کے کمالات ذاتی وحسبی نے شرافت نسبی واضافی سے ان کو مستغنی کر دیا ہے تو نسب کے اعلیٰ ثابت کرنے کے لیے یہ اضطرار بیانی کیوں؟؟؟

۳- مرزا صاحب نے معنی حدیث بھی غلط کئے ہیں۔ حدیث شریف کے الفاظ لو كان الايمان عند الثريا ہیں اور ازالہ ۶۰۳ صفحہ پر مرزا صاحب لکھ چکے ہیں کہ کان حال کو چھوڑ کر گذشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے لہٰذا ترجمہ الفاظ حدیث یہ ہے کہ اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو میرے اصحاب میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو اس کی طلب وہاں تک کرتا۔ یہ حدیث آنحضرت ﷺ نے سلمان پارسی رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمائی تھی۔ حضرت سلمان پارسی رضی اللہ عنہ کا حال پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ کس طرح پر آپ نے سن شعور سے لے کر ضعف پیری دین حق کی تلاش میں اپنی عمر

عزیز کو صرف کیا اور کس طرح پر سینکڑوں مذہبوں اور ملتوں کے اصول وشرائع سے واقفیت پیدا کرتے اور صراط مستقیم کو ڈھونڈھتے رہے۔ اور بالآخر اس سنت الٰہی کے موافق کہ خدا کسی کی محنت کو ضائع نہیں فرماتا اور طالب حق کو محروم نہیں رکھتا، شرف اسلام سے فائز ہوئے تو اس وقت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ اسلام اور یہ صراط مستقیم تو خدا نے دنیا میں بھیج دیا ہے اس کا تلاش کر لینا تو ان پر کیا دشوار ہونا تھا اگر ایمان و اسلام ثریا پر بھی ہوتا تو ان کی طلب پھر بھی مطلوب رس ہوتی۔ مرزا صاحب جو اس حدیث کو اپنے زمانہ سے متعلق بتاتے ہیں اور اس حدیث کے تمسک سے دعویٰ کرتے ہیں کہ آسمان پر اٹھائے گئے قرآن کو میں دوبارہ دنیا پر لے آیا ہوں وہ اس جگہ کان کو بمعنی سوف یکون لیتے ہیں۔ یعنی جب زمانہ دراز آیندہ میں ایمان آسمان پر ہوگا لیکن اس ترجمہ میں علاوہ اس نحوی غلطی اور ازالہ ۶۰۳ صفحہ کے خلاف ہونے کے معاذ اللہ یہ بھی نکلتا ہے کہ رسول کریم کے عہد میں بھی نزول ایمان زمین پر نہ ہوا تھا۔ فَاعْتَبِرُوا اٰیا اُولِی الْاَبْصَارَ

۴۔ مرزا صاحب ابن مریم یعنی مسیح موعود بنتے ہیں اور پھر یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کی مسیحیت سے پہلے قرآن مجید دنیا سے اٹھالیا گیا تھا۔ حالانکہ حدیث شریف میں اس کے خلاف ہے۔ حجج الکرامۃ صفحہ ۴۴۲ میں یہ حدیث منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے، الدجال کو قتل کریں گے اور چالیس سال تک قیام کریں گے، کتاب اللہ اور میری سنت پر عمل کریں گے پھر موت پائیں گے۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کی جگہ ایک شخص کو قبیلہ بنی تمیم سے جس کا نام مقعد ہوگا، خلیفہ بنائیں گے۔ جب وہ بھی مرجائے گا تو اس کی وفات کے بعد بیس سال پورے نہ ہوئے ہوں گے کہ لوگوں کے سینہ میں سے قرآن اٹھالیا جائے گا (رواہ ابو الشیخ عن ابی ہریرہ مرفوعا) اس حدیث نے دو باتوں کا فیصلہ کر دیا۔ اول یہ کہ آپ مسیح موعود نہیں۔ دوم یہ کہ ہنوز رفع قرآن کا زمانہ نہیں آیا۔

ناظرین یہی بارہ علامات و دلائل ہیں جو مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود

ہونے پر پیش کی ہیں۔ جن کا اغلاط سے پر، سقم سے مملو، مغالطات سے بھرا ہوا ہونا مختصر طور پر عرض کیا گیا۔ ان بارہ علامات کی طرف ناظرین نظر غائر ڈال کر مکرر خیال فرمائیں کہ ایک حدیث یا ایک آیت بھی جو دلالت بلکہ اشارت بھی اس دعوی کی کرتی ہو مرزا صاحب اس تمام مضمون (مسیح موعود) میں پیش نہیں کر سکے۔ جن الفاظ حدیث کی تاویل کر کے ان کو اپنی طرف لگایا ان کے اصل لفظ نہیں لکھے تا کہ کوئی سمجھ دار معلوم نہ کر سکے کہ اس تاویل کی موافقت ان الفاظ سے ہو نہیں سکتی۔ اس کے جواب میں آپ صاحبان غائت المرام میں اس عاجز کا لکھا ہوا مضمون ''ابن مریم'' ملاحظہ فرمائیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ مسیح موعود کون ہیں اور ان کے علامات حدیث و کتاب اللہ میں کیا کیا درج ہیں۔ اس مقام پر بھی میں چند ایسی علامات کا تحریر کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ جن سے مرزا صاحب کا مسیح موعود نہ ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے۔

۱۔ مسیح موعود کے زمانہ کی ایک علامت صحیحین کی متفقہ حدیث میں یہ ہے۔'' ویکثر (۱) المال حتی لا یقبله احد'' کہ مال کی اس زمانہ میں اتنی کثرت ہو جائے گی کہ کوئی اسے قبول نہ کرے گا۔ مال کی تفسیر مسلم کی دوسری حدیث میں یہ ہے کہ انسان اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا تو کوئی لینے والا نہ ملے گا۔

مرزا صاحب جو اپنے پیش نہاد پنج گانہ سلسلوں کے لیے احباب سے مال کے خود ملتجی ہیں، وہ مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔

☆ حاشیہ: ا: مرزا صاحب نے مال کی تاویل معارف اور اسرار کی ہے یعنی مسیح کے وقت میں اسرار قرآنی اور معارف ربانی بکثرت ظاہر ہوں گی۔ اس تاویل پر اول تو یہ اعتراض ہے کہ مریدوں کا ان معارف کو قبول نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مسلم کی تفسیر نے اس تاویل کو بالکل ہی غلط کر دیا ہے۔ سوم مولوی محمد حسن امروہی مال سے مراد مال ہی رکھتے ہیں۔ اور مرزا صاحب کے انعامات بمقابلہ آریہ صاحبان کو وہ مال قرار دیا ہے جس کو آج تک کوئی حاصل نہیں کر سکا۔ ناظرین

۲- مسیح موعود کے زمانہ کی دوسری علامت صحیحین میں یہ ہے۔ ''حتی تکون السجدة الواحدة خیر من الدنیا ومافیها ''یعنی ہر انسان کی نگاہوں میں دنیا کی جاہ وحشمت مال و دولت بے قدر محض ہو جائیں گے۔ دنیا سے انقطاع تام حاصل ہوگا اور رب العالمین کی جانب ایسا جذب کامل ہو جائے گا اور محبوب حقیقی کی محبت نفس اور طبیعت پر اس قدر غالب آجائے گی کہ اگر تمام دنیا کی حکومت و اقتدار اور دنیا بھر کے مال ومتاع کو ایک طرف اور صرف ایک سجدہ کو دوسری طرف رکھ کر مسلمان کو کہا جائے گا کہ دونوں میں سے وہ کسے پسند کرتا ہے تو وہ سجدہ کو پسند کرنے اور اس ایک منٹ کو جو طاعت الٰہی میں صرف ہو مال پر ترجیح دینے میں ذرا بھی تامل نہ کرے گا گویا زبان حال سے اس شعر کا ورد کر دے گا ؎

دیوانہ کنی مال و جہانش بخشی

دیوانہ تو مال و جہاں راچہ کند

مسیح موعود کے زمانہ کی یہ برکت عام ہوگی۔ مرزا صاحب کے زمانہ میں جو فسق وفجور پھیلا ہوا ہے جس قدر ارتکاب محارم ہو رہا ہے۔ زنا اور شراب کا استعمال امارت اور فخر کے طور پر کیا جاتا ہے، مسلمانوں نے توحید کو چھوڑ کر قبر پرستی تعزیہ پرستی کو اپنا دین ایمان سمجھ لیا ہے۔ کتاب اور سنت سے منہ موڑ لیا ہے وہ نہ مرزا صاحب سے پوشیدہ ہے نہ ناظرین سے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ وہ مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔

۳- مسیح موعود کے زمانہ کی تیسری علامت صحیح مسلم و ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے:

''اس کے زمانہ میں تباغض وتحاسد (باہمی بغض وحسد) دور ہو جائے گا۔ انسان کے بچے سانپوں کے ساتھ اور شیر بکری کے ساتھ کھیلیں گے۔ تعصب کی زہریں نکل جائیں گی اور ایک بھائی دوسرے بھائی پر نیک ظن پیدا کرے گا۔''

ازالہ کے ۵۹۴ صفحہ پر آپ نے یہی الفاظ لکھے ہیں اور ان کو بلا کسی تاویل

بقیہ حاشیہ: کے لیے پیر و مرید کے یہ اختلاف بیانی قابل دید ہے پھر مسلم کی تفسیر نے جس میں زکوٰۃ ادا کرنے کا ذکر ہے پیر اور مرید دونوں کی تاویل کو غلط قرار دے دیا ہے۔ فقط)

کے قبول کرلیا ہے۔ بسم اللہ اسی کسوٹی پر اپنے دعوی کو کس لیجئے اور رسالہ شہادت القرآن کے آخری اشتہار پر نظر غائر فرمایئے کہ آپ نے خود اپنے قلم سے اپنے مبائعین کی درندگی، وحوش طبعی، بدتہذیبی، آپس میں بدکلامی، دشنام دہی، بلکہ فحش کلمات کے استعمال کرنے کا ذکر کیا ہے اور حکیم نور الدین کی رائے لکھی ہے کہ یہ لوگ قادیاں آکر بجائے درست ہونے کے اور زیادہ خراب ہو جاتے ہیں۔ اور آپس میں ذرا بھی پاس اور لحاظ نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ سالانہ جلسہ بند کیجئے اور ان مریدوں کا اس طرح جمع ہونا مسدود فرمایئے۔ آپ کی شہادت اور اس پر حکیم نور الدین صاحب کی نورانی تصدیق نے ثابت کردیا کہ آپ مسیح موعود نہیں۔ اگر ہوتے تو تمام اسلامی دنیا میں محبت اور اتحاد پھیلا دیتے نہ کہ مبائعین میں بھی وہ حالت پائی جائے جو کسی نام اور نمود کی مہذب سوسائٹی میں بھی نظر نہ آئے گی۔ سچ ہے درخت ہمیشہ اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

۴۔ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر ان ہی کے اقوال ذیل شاہد ہیں:

۱۔ یہ ایک واقعہ مسلمہ ہے کہ دجال معہود کے خروج کے بعد آنے والا ہی سچا مسیح ہے جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے (ازالہ ۷۲۲ صفحہ)

۲۔ صحیح مسلم اور بخاری کی متفق علیہ حدیثوں نے جو صحابہ کبار سے مروی ہیں، ابن صیاد کو دجال معہود اور آخر مسلمانوں کی جماعت میں داخل کر کے مار بھی دیا (ازالہ ۲۴۴)

یہ اقوال صاف بتلا رہے ہیں کہ آپ مسیح موعود نہیں کیوں کہ مسیح موعود کو خروج دجال معہود کے بعد آنا تھا۔ دجال معہود قبل از خروج مسلمان ہوگیا۔ اور تیرہ سو برس ہو چکے کہ مر بھی گیا۔

۵۔ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر ان کا یہ اقرار شاہد صادق ہے۔ ''ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کوئی مسیح ظاہری جلال و اقبال کے ساتھ آئے۔'' ممکن ہے کہ اس پر احادیث کے بعض ظاہری الفاظ صادق آجاویں (ازالہ ۲۰۰ صفحہ)

حکیم نور الدین صاحب اپنے خط میں جو ازالہ کے آخر میں لگا ہوا ہے۔ ایک سائل کو اطلاع دیتے ہیں کہ خود خاکسار نے جب مرزا جی کے حضور میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ایک پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا۔ ''میں نے تو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے ممکن ہے کہ مثیل مسیح بہت آویں اور کوئی ظاہری طور پر بھی مصداق ان پیشین گوئیوں اور نشانات کا ہو۔ جن کو میں نے روحانی طور پر الہاماً اپنے پر چسپاں کیا ہے۔''

مرزا صاحب اور حکیم صاحب کی تقریر سے جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ مسیح آئے گا جو ظاہری طور پر احادیث کی پیشین گوئیوں اور رسول کریم کے بتائے ہوئے نشانات کا مصداق ہو اور ظاہری جلال و اقبال بھی اپنے ساتھ رکھتا ہوگا جس کا ذکر حدیث شریف میں بہ تصریح وارد ہے اور وہ اول دمشق میں ہی اترے تو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مرزا صاحب نے ان علامات کو اپنی ذات پر چسپاں کرنے میں بڑی بھاری جرأت کی ہے اور اس لیے کہ موعود مسیح کی وہ علامات جن کا ظاہری طور پر ظہور ہونا رسول کریم ﷺ نے بیان کیا ہے اور انہی علامات سے ہم کو مسیح موعود اور مسیح مدعی میں فرق کرنے کے لیے ''فاعرفوہ'' فرمایا ہے، آپ میں پائی نہیں جاتیں لہٰذا ہم بعد شناخت کامل بیان کرتے ہیں کہ مرزا صاحب ہرگز مسیح موعود نہیں۔ مسیح موعود وہی دمشق کے شرق میں اترنے والا اور ظاہری جلال و اقبال والا ہے جس کے نزول پر ہم مسلمان ایمانی طور پر اور مرزا صاحب امکانی طور پر یقین رکھتے ہیں۔

جس وقت یہ مسیح موعود نازل ہوگا اور مرزائیوں سے دریافت کرے گا کہ تم نے باوجود نہ ہونے علامات بیان شدہ کے مرزا غلام احمد کو کیوں مسیح تسلیم کرلیا تھا اور کیوں خود مرزا صاحب کے اس تذبذب سے ''جو امکانی طور پر میرے نزول کی تسلیم میں'' اس کی تقریر کے اندر نمایاں تھا۔ مرزا کی اندرونی حالت اور خود اس کے دعاوی پر اسی کی بے اعتباری سے فائدہ اٹھا کر میرے منتظر کیوں نہ رہے تھے اور ''حمل النصوص علیٰ ظواہرہا'' کے اصول پر عمل نہ کرکے کیوں تم نے اپنے اعتقادات اور ایمانیات کو

استعارہ اور مجاز پر قائم کر لیا تھا۔

تو اس وقت میں نہیں جانتا یہ لوگ کیا جواب دیں گے اور کیوں کر مسیلمہ کا کلمہ پڑھنے والے (جو نبوت میں اپنے آپ کو اور آنحضرت ﷺ کو سہیم و شریک جانتا تھا اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نفی نہ کرتا تھا) محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں شریک ہو سکیں گے۔

﴿يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾

کیا رسول علیہ السلام کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور بھی استہزاء ہو سکتا ہے کہ اس کے بتلائے ہوئے علامات اور مقرر کردہ نشانات والے مسیح کو تو امکانی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے (جس میں دونوں شقیں برابر ہوتی ہیں) اور اپنے آپ کو یقینی اور قطعی طور پر مسیح موعود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۶۔ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ الفاظ ناطق ہیں:

(۲۳) تب اگر کوئی تمہیں کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں تو یقین مت لاو۔

(۲۴) کیوں کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بڑے نشان اور کرامتیں دکھادیں گے یہاں تک کہ اگر ممکن ہوتا تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے۔

(۲۵) دیکھو میں پہلے سے ہی کہہ چکا ہوں۔

(۲۶) پس اگر وہ تمہیں کہیں دیکھو وہ جنگل میں ہے تو باہر مت جاؤ دیکھو وہ کوٹھڑی میں ہے تو باور مت کرو۔

(۲۷) کیوں کہ جیسے بجلی پورب سے کوندھتی ہے اور پچھم تک چمکتی ہے ویسا ہی انسان کے بیٹے کا آنا بھی ہوگا۔ (متی باب ۲۴۔)

ان الفاظ میں جناب مسیح نے اپنے آنے سے پہلے جھوٹے نبیوں کے آنے کی کیسی صاف پیش گوئی فرمائی ہے۔ مرزا صاحب کا ان الفاظ کے مقابلہ میں یہ

جواب کہ ''عیسائیوں میں جن لوگوں نے مسیح ہونے کا دعوی کیا ہے وہ تو جھوٹے مسیح ہیں اور میں سچا مسیح موعود ہوں'' بالکل ابلہ فریب جواب ہے۔ جناب چور وہیں پڑتا ہے جہاں مال ہوتا ہے۔ موعود بننے کا دعوی وہیں چل سکتا ہے جہاں کسی کے آنے کا انتظار ہوتا ہے۔ اس لیے ضرور تھا اور آیندہ بھی ہے کہ تا نزول مسیح علیہ السلام مسلمانوں میں جھوٹے مسیح پیدا ہوتے اور دعویدار بنتے رہیں۔ مرزا صاحب سے پہلے ''ابن ہود'' نامی ایک شخص تھا جس کے کئی ہزار مرید تھے اور جو بڑی وجاہت اور شان کا آدمی تھا وہ یہی دعویٰ کر چکا ہے۔ امام ابن تیمیہ الحرانی نے اس کو ساکت کیا تھا۔

۷- مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر رزین کی وہ حدیث نص ہے جس کے راوی امام جعفر صادق سے لے کر علی المرتضیٰ تک (رضی اللہ عنہم اجمعین) کل ائمہ اہل بیت نبوی ہیں ''رسول خدا نے فرمایا: وہ امت کیوں کر ہلاک ہوگی جس کے اول میں بیچ میں مہدی اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

مرزا صاحب جو خود ہی مہدی اور خود ہی مسیح بنتے ہیں وہ مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔ حدیث بالا مہدی اور مسیح کو دو جدا جدا شخص بتلا رہی ہے اور مسیح موعود اس کو قرار دیتی ہے جو مہدی کے بعد آنے والا ہو۔

اگر حدیث کے تسلیم کرنے میں کچھ تأمل ہو تو نعمت اللہ ولی کا قصیدہ (جو مرزا صاحب کے نزدیک ایسا معتبر اور قابل وثوق ہے کہ اس قصیدہ کو شائع کرنے کے لیے ایک علحدہ رسالہ لکھا اور اس کا نام نشان آسمانی قرار دیا) ایک بار پھر دیکھا جائے۔ اسی میں یہ بھی شعر ہے ؎

مہدئ وقت وعیسیٰ دوراں
ہر دو را شہسوار مے بینم

مہدئ وقت عیسیٰ دوران کے بیچ میں جو واؤ پڑا ہوا ہے آپ بڑی آسانی سے اس کو واو تفسیر کہہ سکتے ہیں۔ جیسا وامامکم منکم میں کہا ہے مگر دوسرے مصرعہ میں ہر دو بھی موجود ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ مہدی اور عیسیٰ دونوں شہسوار ہیں اور

مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار میدان آرا جنگ آزما ہوں گے اور سیفی فتح سے تمام دنیا کو مسخر کر دکھلائیں گے جس کو مرزا صاحب ناچیز سمجھتے ہیں۔

۸- مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر دلیل ان کا یہ اقرار ہے۔ ''مسیح موعود جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا (ص ۱۰۷) اب یا تو مرزا صاحب اقرار کریں کہ میں نبی اللہ ہوں یا تسلیم فرمائیں کہ میں مسیح موعود نہیں۔

۹- مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں ہے۔ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر لڑتا اور قیامت تک غالب رہے گا۔ عیسیٰ بن مریم انہی میں نازل ہوں گے۔ گروہ کا امیر کہے گا آیئے نماز پڑھایئے حضرت عیسیٰ فرمائیں گے نہیں تم آپس میں ایک دوسرے کے امیر ہو۔ یہ خدا نے اس امت کو اکرام دیا ہے۔'' یہ حدیث چاہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کا نزول اس گروہ میں ہو، جو شروع زمانہ اسلام سے لے کر مسیح کے آنے تک حق کے لیے جنگ وقتال کرنے والا اور اپنے جنگ وغزا میں نصرت وفیروزی رکھنے والا ہو۔ حدیث کا یہ بھی مطلب ہے کہ نزول عیسیٰ سے پہلے ایک ایسا امیر مسلمانوں میں موجود ہو۔ جس کی امارت تسلیم شدہ ہو۔ حدیث یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اس امیر کی امارت کا حق ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تسلیم فرمائیں اور یہی امر ظاہر کرنے کے لیے نماز میں اس امیر کا اقتداء کریں۔

مرزا صاحب جو مسیح موعود بنتے ہیں اول یہ فرمائیں کہ ان کا نزول کون سی جنگ جو فتحیاب فرقہ میں ہوا ہے۔ دوم ان سے پہلے کون سا امیر المسلمین موجود تھا جس کی امارت کو مرزا جی نے تسلیم کر کے اس کی اقتدا کی ہے اور اس نے بھی آپ کی اطاعت بطوع کرنی چاہی ہے۔ ناظرین اس کا جواب مرزا صاحب ہرگز نہ دیں گے مگر آپ یاد رکھیں کہ یہ امیر حضرت امام مہدی ہوں گے جن کا ذکر بخاری کی حدیث عن ابی ہریرۃ میں ان الفاظ میں ہے'' وامامکم منکم '' مرزا صاحب نے ان تمام اعتراضات سے بچنے اور ان قیود سے آزاد ہونے کے لیے اور ہی پہلو اختیار کیا ہے

وہ کہتے ہیں لا مھدی الا عیسی کے سوا اور کوئی مہدی ہی نہیں۔ تعجب یہ ہے کہ آپ اس کو حدیث رسول ﷺ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بڑے بڑے محدثین نے صاف لکھ دیا ہے کہ یہ ایک وضعی قول ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں اور اس کے مقابلہ میں یہ بھی علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ مہدی کا ہونا، آخر زمانہ میں ظہور کرنا، رسول خدا ﷺ کی عترت اور جناب فاطمہ علیہا السلام کی اولاد سے ہونا، احادیث نبوی سے حد تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر انکار کے کیا معنیٰ؟ اسی لیے آیا ہے کہ جو شخص دجال کا یا مہدی کا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ رواہ ابوبکر الاسکاف فی فوائد الاخبار وابو القاسم السھیلی فی شرح السیر له۔ شرح عقائد تفتازانی میں ہے۔ لو لا مھدی الا عیسی پر دھوکا نہ کھاؤ یہ تو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

۱۰- مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر ابن الجوزی کی حدیث شاہد ہے جس کے یہ لفظ ہیں۔ ''عیسیٰ زمین میں اتر کر بیاہ کریں گے ان کی اولاد ہوگی۔'' مرزا صاحب جو قبل از دعویٰ مسیحیت کئی شادیاں کر چکے ہیں اور ان کی اولاد خدا کے فضل سے اس وقت نوکر چاکر بھی ہے وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

۱۱- مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر حدیث ابی ہریرہ جو احمد اور ابن جریر کے نزدیک ہے، شاہد ہے کہ حضرت مسیح مقام روحاء میں آ کر حج وعمرہ کریں گے۔

میں نہایت جزم کے ساتھ بآواز بلند کہتا ہوں کہ حج بیت اللہ مرزا صاحب کے نصیب میں نہیں۔ میری اس پیشگوئی کو سب صاحب یاد رکھیں۔

ناظرین میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کو یہ مضمون پڑھ کر معلوم اور یقین ہو گیا ہے کہ کیا ان علامات کے اعتبار سے جن کو مرزا صاحب نے علامات مسیح موعود قرار دے کر پھر ان کی تطبیق اپنی ذات پر کرنے میں سعی مذبوح کی ہے اور کیا ان علامات سے جن کا علامات مسیح ہونا ہمارے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ نے ظاہر فرمایا ہے۔ غرض بہر طور اور بہر صورت ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہرگز نہیں ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ خیر گو مرزا صاحب کا

مسیح موعود نہ ہونا تم نے ثابت کر دیا۔ مگر مثیل مسیح نہ ہونے کی منافی تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تو شاید مثیل مسیح تو وہ ضرور ہی ہوں۔'' ناظرین یہ بھی اس شخص کا وہم ہی ہے۔ اور ٹھیک یہی مثال رکھتا ہے کہ کوئی مجرم گاؤں میں اپنے آپ کو تھانہ دار ظاہر کرے اور لوگوں سے نذریں وغیرہ لے کر آگے چل دیے۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہو جائے کہ وہ تھانہ دار نہ تھا اس کے مقابلہ میں نذر پیش کرنے والے رفع ندامت کے لیے کہیں خیر اگر تھانہ دار نہ تھا تو کنسٹبل تو ضرور ہی ہوگا مگر تھا کوئی ضرور۔ حاصل یہ ہے کہ ایمان اور صداقت اور راست بیانی ایسے اوصاف ہیں کہ جب ان کی نفی ہو جاتی ہے تو آدمی میں کوئی صفت بھی باقی نہیں رہتی۔ مماثلت پر مفصل بحث ہماری کتاب غائت المرام میں ہے۔

اسی مضمون کے خاتمہ پر میں مرزا صاحب کے مضمون ''قریب تر بامن ونزدیک تر بسعادت'' کون لوگ ہیں۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے اس عاجز کا مسیح موعود ہونا مان لیا ہے۔ یا وہ لوگ جو منکر ہو گئے'' پر بھی کچھ گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ اس مضمون میں مرزا صاحب کے معتقدین اور مبائعین کو جو انوار و برکات حاصل ہوئی ہیں ان کا بیان کیا ہے۔ تمہیدی الفاظ میں ہی لکھا ہے وہ لوگ ہر ایک خطرہ کی حالت سے محفوظ و معصوم ہیں۔

ناظرین انہی الفاظ پر غور کرو ہر ایک خطرہ سے محفوظ ہونے والے اور معصوم بننے والے یہ کون مقامِ خوف دہ مقام ہے کہ بڑے اولوالعزم رسول ہیبت وخوف سے کانپا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا تصفیہ فرما دیا ہے:

﴿ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ ﴾

سورۂ یوسف میں ہے:

﴿وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِىْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾

''میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتا کیوں کہ نفس تو ہمیشہ برائی کا ہی حکم دیتا ہے۔'' عثمان بن مظعون کے جنازہ پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا واللہ لا ادری

واللہ لا ادری وانا رسول اللہ مایفعل بی ولا بکم "بخدا میں نہیں جانتا بخدا میں نہیں جانتا حالانکہ میں رسول خدا ہوں کہ میرے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا؟ ابن مسعود کی حدیث میں ہے:

الجنۃ اقرب الی احدکم من شراک نعلہ والنار مثل ذلک

(رواہ البخاری)

''بہشت اور دوزخ تو تمہارے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ تم سے قریب تر ہیں۔''

حضرت انس کی حدیث میں ہے: تم وہ عمل کرتے ہو جو تمہاری آنکھوں میں بال سے بھی زیادہ تر باریک ہیں۔ ہم ان کو عہد رسول اللہ ﷺ میں مہلکات سے شمار کرتے تھے۔ (رواہ البخاری)

یہ ارشادات ان مقتدایان ملت اور انبیاء کرام کے ہیں جن کی عصمت پر نص قطعی موجود ہے جن کا کوئی لمحہ کوئی لحظہ خوف اور خشیت خدا اور بیم ورجا سے خالی نہ ہوتا تھا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں، واللہ اگر تم جان لو۔ تو ہنسو کم اور گریہ کرد بہت عورتوں سے فرش پر لذات نہ پاؤ۔ راہوں میں نکل بھاگو اور خدا سے فریاد کرو (ترمذی عن ابی ذر) باوجود ایسے نصوص شرعیہ وقطعیہ کے اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خطرہ سے محفوظ سمجھتا ہے تو بحکم آیت خاسرین میں داخل ہے۔ اب رہا مریدان جناب کا خطرہ سے معصوم ہو جانا یہ خاصہ انبیاء کا ہے اور وہ باوجود معصوم ہونے کے بھی ڈرتے رہے ہیں۔ اول آپ نے عاجز گنہگار بندوں کو معصوم بتایا اور پھر خشیتہ اور خوف کی صفت خالی کرکے ان کو ہلاکت کے قریب کر دیا۔ جس طرح نصاریٰ فضل پر بھروسہ کرکے بیٹھ گئے۔ صدق اعمال ان سے اٹھ گیا۔ حسن عبادت جاتا رہا۔ وہی حال ان بے چاروں کا بھی ہونے والا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہو رہا ہے میں تو مرزا صاحب کے جتنے مریدوں سے واقف ہوں اور بیعت سے پہلے کی واقفیت رکھتا ہوں ان کی حالت ماسبق ومابعد پر اکثر احتیاط اور غور سے فکر کیا کرتا

ہوں تو ان کو بدترین حالت میں پاتا ہوں۔ ان میں سنن ہدی بہت کم نظر آتے ہیں۔ اوقات صلوۃ کے بھی پابند نہیں ہوتے۔ خیر اب ناظرین ان انوار و برکات کی **تفصیل** سنیں جو مرزا صاحب نے فرمائی ہیں۔

۱- ان لوگوں نے اپنے بھائی پر حسن ظن کیا ہے اور اس کو مفتری یا کذاب نہیں ٹھہرایا اور اس کی نسبت طرح طرح کے شکوک فاسدہ کو دل میں جگہ نہیں دی۔ اس وجہ سے اس ثواب کا انہیں استحقاق ہوا کہ جو بھائی پر نیک ظن رکھنے کی حالت میں ملتا ہے۔''

ناظرین حسن ظن ایک عمدہ صفت ہے اور بیشک ہر مسلمان کو ہر مسلمان پر ہونی چاہئے مگر حسن ظن اس کا نام نہیں ہے کہ ایک شخص پر حسن ظن کرتے کرتے تمام سلف وخلف صلحاء و علماء سے سوء ظنی پیدا ہو جائے۔ اور صرف ایک شخص کو مفتری یا کذاب نہ کہنے کے لیے صحابہ اور تابعین تک کو ملحد و محرّف تسلیم کرلیا جائے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ مرزا صاحب سے حسن ظن اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب جملہ مفسرین ومحدثین فقہاء وتابعین ائمہ وصحابہ اجمعین کی طرف سے سخت شکوک اور بدظنیوں کو دل میں مستحکم کرلیا جائے۔ اگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت حدیث کے ساتھ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے حیات عیسیٰ ثابت کرتے ہیں تو کیا کریں۔

اگر ابن جریر وابن کثیر وامام احمد باسناد صحیح ابن عباس سے اس آیت اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ میں حیات اور نزول مسیح بیان کرتے ہیں تو خیر وہ بھی بیان کیا کریں۔

اگر ضحاک اور قتادہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿اِنِّی مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ﴾ کے معنی ﴿رافعك ثم متوفيك فی آخر الزمان﴾ روایت کرتے ہیں۔ تو خیر وہ بھی روایت کرتے رہیں۔

اگر امام حاکم وابن مردویہ، طبرانی اور ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس سے اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیامۃ کی تفسیر کرتے ہیں، تو خیر یہ بزرگوار بھی اپنی کتابیں اپنے پاس رہنے دیں۔

اگر عبد بن حمید نے اِنَّـهُ لَعِلُمٌ لِلسَّاعَةِ میں ابو ہریرہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے کہ قبل از قیامت حضرت مسیح تشریف فرمائے دنیا ہوں گے تو وہ بھی اس نقل کو اپنے پاس رکھ چھوڑیں۔

اگر رئیس المفسرین ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سند مفصل وصحیح کے ساتھ حضرت امام حسن بصری سے جو جملہ اہل کشف وشہود اولیا وعلماء کے امام و سرگروہ ہیں۔﴿ اِنَّ مِـنُ اَهُـلِ الُـكِتَـابِ اِلَّا لَيُؤمِنَنَّ بِهِ قَبُلَ مَوُتِهِ ﴾ میں حیات عیسیٰ بیان کرتے ہوں اور واللہ انہ لحی الآن عند الله ولکن اذا نزل آمنوا به اجمعون فرماتے ہوں، جس کا ترجمہ یہ ہے بخدا حضرت عیسیٰ اس وقت خدا کے پاس ضروری ہی زندہ ہیں۔ مگر جب نازل ہوں گے تو سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے تو خیر قسم کھایا کریں۔

اگر کعب احبار، قتادہ، مجاہد آیات بالا میں نزول اور حیات مسیح ثابت کرتے ہوں، تو کیا کریں۔

اگر معالم وبیضاوی، کشاف و درمنثور و بحر مواج وغیرہ آیات صدر میں معانی بالا پر جزم کرتے ہوں تو کیا کریں۔

اگر سلف وخلف کا اجماع واتفاق اسی عقیدہ پر رہا ہو تو ہوا کرے۔

اگر خروج دجال کی احادیث کے راوی ۳۵ صحابہ ہوں تو ہوا کریں۔ اگر قتل دجال ونزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کے راوی ۱۳ صحابہ ہوں تو خیر۔

مگر وہ حسن ظن جو ایک بھائی کو بھائی سے ہونا چاہئے وہ مانع ہے کہ مرزا صاحب کو کاذب اور مفتری خیال کیا جائے۔ مرد آدمی حسن ظن کے یہ معنی کس نے کئے ہیں کہ تمام جہان کے عقلاء ملت علماء دین ایک طرف ہوں اور ایک مدعی ایک طرف پھر بھی وہ حسن ظن ہی چلا جائے۔ یقین رکھئے کہ یہ بہت بڑی خرابی ہے جو واقع ہو رہی ہے۔ اس کا انجام بخیر ہرگز نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب اس کے بعد دوسری خوبی یہ بتلاتے ہیں: ”دوسری یہ کہ وہ حق

کے قبول کرنے کے وقت ملامت کنندہ کی ملامت سے نہیں ڈرے اور نہ نفسانی جذبات ان پر غالب ہو سکے۔ اس وجہ وہ ثواب کے مستحق ٹھہر گئے کہ انہوں نے دعوتِ حق کو پاکر اور ایک ربانی مناد کی آواز سن کر پیغام کو قبول کرلیا اور کسی طرح کی روک سے رک نہیں سکے۔ ازالہ ص ۱۸۰

ناظرین حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمان صدق دل سے اعتقاد رکھتے ہیں کہ داعی الی اللہ اور ربانی مناد محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور آنحضرت کے ان دونوں مراتب رفیعہ کا ذکر قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے: ﴿يَا قَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَآمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ دوسری جگہ ہے: ﴿وَدَاعِياً اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجاً مُنِيْراً ﴾

حدیث میں ہے فالداعی محمد والمادبة الجنة ربانی مناد کا اس آیت میں ذکر ہے:

﴿رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّآتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾

پس جن لوگوں نے محمد ﷺ کو داعی الی اللہ قبول کر کے اس کی دعوت حق کو قبول کرلیا ہے اور احمد مصطفیٰ ﷺ کو ربانی مناد صدق دل سے جان کر ان کی ندا کو گوش جان سے سن لیا ہے، وہ مجبور ہیں کہ کسی اور کو داعی الی اللہ سمجھیں۔ یا اس کی دعوت کو دعوت حق قرار دیں چونکہ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کوئی دعوت حق نہیں کرسکا اور کسی کی ندا اس مبارک ندا سے زیادہ شیریں اور روح بخش نہیں ثابت ہوئی۔ اس لیے اس مبارک دعوت اور ندا کے بعد اور جتنی دعوتیں اور ندائیں ہیں وہ سب گمراہی اور ضلالت کی دعوت اور ندائیں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِ اِلَّا الضَّلَالُ. پس یہ دوسری مصیبت ہے جو مبائعین مرزا صاحب پر نازل ہو چکی اور نازل ہو رہی ہے جس مصیبت کا گرنا ان کو برف باری

کی طرح خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ مگر تھوڑی دیر میں وہ خوش آیندہ منظر مہلک ثابت ہوگا۔ تیسری بات مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ پیش گوئی کے مصداق پر ایمان لانے کی وجہ سے وہ ان تمام وساوس سے مخلصی پا گئے کہ جو انتظار کرتے کرتے ایک دن پیدا ہو جاتے ہیں اور آخر یاس کی حالت میں ایمان دور ہو جانے کا موجب ٹھہرتے ہیں'' (ازالہ ص ۱۸۰)

ناظرین یہ تیسری برکت ہے جو مبائعین کو مرزا صاحب سے حاصل ہوئی اگر حضرت کے مبائعین کا ایمان یہی ہے کہ وہ ہر چیز پر مشاہدہ کے بغیر ایمان نہیں لا سکتے۔ اگر مبائعین کی اتنی ہی عقل ہے کہ وہ ہر ایک پیش گوئی کو جو ان کے عہد حیات میں پوری نہ ہو...... قبول نہیں کر سکتے اور اگر وہ ایسے دل کے بودے، طبیعت کے کمزور، ایمان کے کچے ہیں کہ خدا کے وعدوں اور مصلحتوں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادوں کو وہ اپنی پیدا شدہ وساوس کا دافع نہیں جانتے۔ تب مرزا صاحب بخوبی یقین رکھیں۔ کہ وہ ان لوگوں کو وساوس سے مخلصی نہیں دے سکتے اور ان کا ایمان جو حالت یاس سے دور ہونے لگ گیا ہے، قائم نہیں رکھ سکتے۔ کیوں کہ مسیح موعود کی پیش گوئی پر جب یہ وساوس کرنے اور پھر ایمان چھوڑنے لگے۔ تب تو مرزا جی نے احسان فرما کر خود دعویٰ کر دیا اور ان کی روک تھام کر لی لیکن کل کو جب یہ قیامت کے وجود پر وساوس قائم کریں گے اور وہی انتظار کی وجہ سے حالت یاس پیدا ہو کر ازالۂ ایمان ان کا ایمان ہو جائے گا تب مرزا جی کیا تدبیر فرمائیں گے۔ آپ کے پنجاب کی ایک مثل ہے اجّ نپتّی کلّ نپتّی کیسو پھو نے سدا نپُھیّ۔ ہاں اگر حسن بن محمد بن گیاہ بزرگ امید کی آپ نے تقلید کی اور قیامت موعودہ بھی اپنے نفس ہی کو ٹھہرایا۔ تب تو کیا کہنے ہیں۔

غرض یہ تیسری مصیبت ہے کہ ایک پیش گوئی کے انتظار سے اگر آپ نے مریدان عقیدت کیش کو رہائی بخشی ہے تو اور سینکڑوں آنے والی اور ظاہر ہونے والی پیش گوئیوں کی نسبت ان کے دلوں میں وساوس اور اوہام پیدا کر دیے ہیں اور قریب

ہے کہ یہ جلد باز جب ان ربانی وعدوں کا انتظار نہ کرسکیں گے اور مصلحت الٰہی پر یقین نہ رکھیں گے تو سب منکر ہو جائیں گے اور وہ وقت بھی آپہونچے گا جب:

﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَاكُنَّا فِىْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾

کہنے کی ان کو ضرورت پڑے گی۔

چوتھی بات مرزا جی یہ بتاتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے بندہ پر ایمان لاکر اس سختی اور غضب الٰہی سے بچ گئے جو ان نافرمانوں کے حصہ میں ہوتا ہے جن کے حصہ میں بجز تکذیب وانکار کے اور کچھ نہیں'' (ازالہ ص ۱۸۱)

ناظرین خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا بندہ یہ الفاظ عبدہ ورسولہ کا ترجمہ ہیں اور ہم رب کریم کو شاہد بنا کر صدق دل سے پڑھتے ہیں نشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله ۔ ہمارا ایمان ہے کہ محمد ﷺ کے بعد جو شخص اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا بندہ کہتا ہے وہ اس حدیث کا مورد ہے سیکون فی امتی دجّالون کذابون کلّهم یزعم انه نبی الله پس یہ چوتھی مصیبت ہے جو مرزا جی کے مبائعین پر نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے مرزا صاحب کو خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا مان کر آیت خاتم النبیین کا انکار کیا اور اس انکار سے اس مشقت اور غضب الٰہی کے مستوجب ٹھہر گئے جو محمد رسول اللہ کی نبوت کے منکرین کے لیے ہے، مرزا صاحب !!! اگر ہر دعوی کرنے والا زبان دراز محض ادعا اور زبان درازی سے خدا تعالیٰ کا نبی بن سکتا ہے تب آپ سجاح اور مسیلمہ اور اسود کا کیوں انکار کرتے ہیں۔

پانچویں بات مرزا جی نے یہ بتائی کہ وہ ان فیوض اور برکات کے مستحق ٹھہر گئے جو ان مخلص لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جو حسن ظن سے اس شخص کو قبول کر لیتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

یہ وہ فوائد ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ ان سعید لوگوں کو بفضلہٖ تعالیٰ ملیں گے جنہوں نے اس عاجز کو قبول کرلیا ہے لیکن جو لوگ قبول نہیں کرتے وہ ان تمام

سعادتوں سے محروم ہیں (ازالہ ص ۱۸۱)

مرزا صاحب یہ پانچویں برکت تو وہی ہے جو پہلی تھی۔ آپ نے خواہ مخواہ ۱۵ سطروں کے بعد اس کو نئی برکت بنانا چاہا۔ الحمد لله رب العالمین۔ آپ کے وجود باجود سے مبائعین کو جو فیوض دبرکات حاصل ہونے والے ہیں۔ (بزمانہ مستقبل) ان کی تفصیل وتشریح آپ نے خود ہی فرمادی۔ جناب یہ تو وہ فوائد ہیں جو برہم سماجیوں کو کیشپ چندرسین سے اور دیودھرمیوں کو اگنی ہوتری لاہوری سے، دِتّے شاہیوں کو اپنے پیر سے، آریہ کو دیانند سرتی سے حاصل ہوچکی ہیں۔ اس میں مسیح موعودی نے کیا طرّہ لگادیا۔ اب آپ اگر ان سعادتوں کی تفصیل معلوم کرنا چاہیں۔ جو آپ کو قبول نہ کرنے والوں اور رد کردینے والوں کو پہلے سے حاصل وشامل ہیں اور آپ کے انکار سے اور زیادہ ہوگئے ہیں، تو میں سچ کہتا ہوں کہ ان کی تفصیل کے لیے دفترِ ضخیم بھی کافی نہیں۔ سب سعادت سے اعلیٰ وافضل، اجمل واکمل اتباع سنت نبوی کی سعادت ہے جس کے لیے قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

نیز یہ ارشاد ہے:

﴿اِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْهُ﴾ یعنی محمد ﷺ کی اطاعت کروگے تب ہدایت پاؤگے۔

مرزا صاحب آپ نے دافع الوساوس میں ﴿بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے ہر ایک مدعی اسلام کے لیے فنا وبقا کے مدارج کا ذکر فرمایا ہے۔ خیر مدعی اسلام تو برطرف میں گستاخانہ سوال کرتا ہوں کہ آپ کے مریدانِ باعقیدت کو یہ مراتب کیوں حاصل نہیں ہوئے اور ان انوار وبرکات سے کس لیے محروم رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وساوس میں ان مضامین کو صوفیہ کی کتابوں سے اخذ کرکے لکھ تو دیا۔ ورنہ نہ خود آپ کو یہ منصب حاصل ہے اور نہ تاحشر آپ کے کسی متبع اور معتقد کو، ان ہرسہ مراتب میں سے کوئی مرتبہ مل سکتا یا مقام حاصل ہوسکتا ہے۔ آپ

سچے ہیں تو اقتداری کن کا جلوہ خود دکھلائیں یا کسی مرید کو پیش کریں۔

پیارے ناظرین! اس مضمون کو غور سے ملاحظہ فرمائیں حق تعالی آپ کی بصیرت کو زیادہ کرے۔ مرزا صاحب کو اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوی میں اتنا توغل ہے کہ انہوں نے یہ بھی لکھ مارا: ''اگر یہ عاجز مسیح موعود ہونے کے دعوی میں غلطی پر ہے تو پھر آپ لوگ کچھ کوشش کریں کہ مسیح موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہی دنوں میں آسمان سے اتر آوے کیوں کہ میں تو اس وقت موجود ہوں مگر جس کے انتظار میں آپ لوگ ہیں وہ موجود نہیں۔ اور میرے دعویٰ کا ٹوٹنا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر ہی آوے تا کہ میں ملزم ٹھہر سکوں۔ آپ لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح بن مریم جلد آسمان سے اترتے دکھائی دیں'' (ازالہ ص ۱۵۵)

مرزا صاحب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالی کے سب کام حکمت کے ساتھ ہیں اور ہر چیز کا اس نے اندازہ کر رکھا اور ہر کام کا ایک وقت مقرر فرما دیا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، کوئی چیز اندازہ سے باہر نہیں، کوئی کام ایک ساعت آگے یا پیچھے نہیں ہوتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مسیح نازل ہوں گے خواہ ہم شرف زیارت سے مشرف ہوں یا اس مسعود وقت سے پہلے اپنے انفاس حیات پورے کر کے تہہ خاک چلے جائیں۔ بہر حال ہم کو نزول مسیح پر وہی ایمان ہے جس کو سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے لوکشف الغطاء لما ازددت یقینا۔ اب رہا آپ کا فرمانا مسیح کو جلد بلالو، ابھی بلالو اسی زمانہ میں بلالو۔ اس کے جواب میں ہم صرف وہی آیات پڑھ دینا کافی سمجھتے ہیں جو منکرین قیامت کی ایسی ایسی بیہودہ گوئیوں کے جواب میں اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو تعلیم فرمائیں:

﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾

''کہتے ہیں یہ وعدہ کب کا ہے (اور کہاں ہے) اگر تم سچے ہو۔''

﴿قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُبِيْنٌ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيْئَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ﴾

''کہد ے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں ظاہر۔ پھر جب دیکھیں گے کہ وہ ان سے نزدیک ہے تب نافرمانوں کے منہ بُرے بُرے ہو جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے جو تم اس وقت مانگتے تھے۔''

ناظرین مرزا صاحب یہاں بھی اپنی چالاکی سے نہیں چوکے اور اس اعتراض کا کہ ''دعا سے مسیح کا اترنا ضروری ہے۔ جواب خود ہی دینا چاہا ہے۔ ''اگر کوئی کہے کہ اہل حق کی دعا اہل باطل کے مقابل پر قبول ہونی ضروری نہیں۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ ہندوؤں کے مقابل پر مسلمانوں کی دعا قیامت کے بارہ میں قبول ہو کر ابھی قیامت آجائے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس گذرنے سے پہلے واقع نہیں ہوسکتی اور ضرور ہے کہ خدا اُسے روکے رہے۔ جب تک وہ ساری علامتیں کامل طور پر ظاہر نہ ہو جائیں۔ جو حدیثوں میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن مسیح کے ظہور کا وقت تو یہی ہے اور وہ تمام علامتیں بھی پیدا ہوگئیں، جن کا مسیح کے وقت پیدا ہونا ضروری تھا۔'' (ازالہ ص ۴۶۳) اس بیان میں ہمارے اعتراض کو مرزا صاحب درحقیقت اٹھا نہیں سکے۔ بلکہ دو اور مغالطے لکھ مارے:

۱۔ ''یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس گذرنے سے پہلے واقع نہیں ہوسکتی۔'' اس فقرہ میں آپ نے نصوص قطعیہ فرقانیہ اور احادیث نبویہ کا بھی خلاف کیا اور اللہ تعالیٰ کے مکر و غضب سے لوگوں کو بے خوف کر دینا بھی چاہا۔ قرآن مجید کی دربارہ قیامت یہ تعلیم ہے: ﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ﴾ اور حدیث جبرئیل میں آنحضرت کا یہ ارشاد موجود ہے: ما المسؤل عنها اعلم من السّائل یعنی اے جبرئیل جیسی تمہیں خبر نہیں ویسی مجھے بھی نہیں کہ قیامت کب ہوگی۔ دوسری حدیث میں

ہے اسرافیل صور کو منہ سے لگائے، ایک پاؤں پیچھے ایک آگے کئے ہوئے کھڑا ہے، کان آواز پر لگے ہوئے ہیں اور آنکھیں عرش کی جانب اٹھ رہی ہیں۔ کیا جانے کس وقت حکم آپہنچے۔ پس مرزا صاحب نے سات ہزار برس سے پہلے قیامت نہ آسکنے کا عقیدہ بالکل اسلام کے خلاف بیان کیا ہے۔

۲- دوسرا مغالطہ آپ کا یہ ہے کہ ابن مریم کے آنے کی علامات پوری ہوچکی ہیں۔ جن لوگوں کی احادیث پر نظر ہے یا جنہوں نے کم از کم غائت المرام میں ہمارا مضمون ''زمانہ نزول مسیح'' اور اس رسالہ میں مضمون ''امام محمد بن عبداللہ المہدی'' پڑھا ہے۔ وہ آپ کے قول کی تکذیب بخوبی کرسکتے ہیں اور حاصل کلام جس پر اس مضمون کا خاتمہ ہے یہ ہے کہ آپ نے مسیح موعود ہونے کا نہ کوئی ثبوت ہی پیش کیا اور نہ مسیح موعود کی صفات کا اپنے اندر ہونا ہی ثابت کر دکھلایا۔ غرض کیا ان دلائل کی قوت سے جو مسیح موعود کے بارہ میں ہم اپنے پاس رکھتے ہیں اور کیا ان اباطیل کی لغویت سے جو آپ نے اس بارہ میں پیش کی ہیں، بخوبی ظاہر ہوگیا کہ آپ مسیح موعود ہرگز نہیں اور اس دعوی کے ثبوت کے لیے قرآن و حدیث میں سے ایک لفظ بھی مرزا جی کے پاس موجود نہیں۔

الہام ومکاشفہ

لغت میں الہام کسی شخص کے حلق میں کھانا ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح پر کہ اس شخص کو ہونٹ اور دانت ہلانے نہ پڑیں۔ اب اصطلاح شرعی میں الہام کسی امر کے اس داعیہ کو کہتے ہیں جو دل میں کسی پہلے فکر کے بغیر پیدا ہو۔

الہام ربانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی (ازالہ ۶۲۸) پس اس لیے کہ الہام ربانی اور شیطانی دونوں قسموں کا ہوتا ہے۔ بزرگان دین نے اس کی شناخت کے لیے ایک معیار قائم کیا ہے۔ یعنی کتاب اور سنت۔ اور قرار دیا ہے کہ جب تک اس کی آزمائش نہ کر لی جائے تب تک الہام کو ربانی الہام کہنے کی جرأت نہ کرنی چاہئے۔

الہام کی یہ تعریف جو ہم نے کی ہے۔ ایسی واضح ہے جس پر تمام سلف و خلف کا اتفاق ہے اور وہ بزرگ جن کی تحقیقات شریف تصوف اور علم میں تازگی کی روح ڈالنے والی ہے، سب کے سب ایسے ہی الفاظ لکھ گئے ہیں۔

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''ارشاد الطالبین'' میں لکھتے ہیں کہ الہام اولیاء موجب علم ظنی ہے۔ اور اگر دو ولیوں کا کسی ایک الہام میں اتفاق کلی ہو جائے تو اس کا درجہ ظن غالب کا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ولی کا کشف اور الہام کسی حدیث کے جو احاد میں سے ہو، بلکہ کسی قیاس کے جو شرائط قیاس کا جامع ہو، مخالف ہوگا تب اس جگہ حدیث کو بلکہ قیاس کو الہام پر ترجیح دینی چاہئے۔'' اس کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں یہ مسئلہ سلف اور خلف میں مجمع علیہ ہے۔

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے: الہام پر عمل نہ کرو جب تک اس کی تصدیق آثار سے نہ ہو جائے۔ (احیاء العلوم)

پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فتوح الغیب میں لکھتے ہیں: الہام اور کشف پر عمل کرنا جائز ہے بشرطے کہ وہ قرآن اور حدیث نیز اجماع اور قیاس صحیح

کے مخالف نہ ہو۔

عروۃ الوثقی خواجہ معصوم قدس سرہ اپنے مکتوب نمبر ۱۷۷ میں لکھتے ہیں کہ کشوف اور منامات اور بشارات صحیحہ وصادقہ اور ان کے خلاف میں فرق کرنا دشوار ہے۔ پس ان پر اعتماد کرنا نہ چاہیے اور ان کو اتنا معتبر نہ خیال کرنا چاہیے کہ کمال معتد بہ انہی سے لگا ہوا ہے۔ بیشک اعتماد کے لائق اور نجات دینے والی تو صرف کتاب اور سنت ہے۔ پھر لکھتے ہیں جو لوگ بلند ہمت ہوتے ہیں، وہ ایسے امور کی طرف التفات نہیں کیا کرتے۔ کشف کے معنی لغت میں کھلنے اور آشکار ہونے کے ہیں۔ اصطلاح صوفیہ میں کسی ایسے امر کو جو حواس ظاہرہ کے بغیر معلوم ہو جائے کشف کہتے ہیں۔

اس کے چند اقسام ہیں:

۱۔ نوم ورویا یعنی خواب میں کسی امر کا دیکھنا۔ واضح ہو کہ منامات میں روح کے ساتھ نفس کا بھی تعلق ہوتا ہے۔ اور اس لیے اکثر خواب یا خواب کا بیشتر حصہ صحیح نہیں ہوتا۔ صرف انبیاء کرام ہی کی یہ شان ہے جن کے خواب بعینہ صحیح ہوتے ہیں اور ان میں تعبیر کی یا تو بالکل ہی ضرورت نہیں پڑتی یا بہت ہی کم جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آغاز کار نبوت میں رسول اللہ ﷺ جو خواب شب کو دیکھتے صبح کو نور صبح کی طرح اسی طرح دیکھ لیتے تھے یا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن نے اپنے خواب میں فرزند کو خود ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو ذبح کا قصد مصمم کر لیا اور اس کی تعبیر نہیں کی۔ یا حضرت یوسف علیہ السلام نے کواکب وقمرین کا اپنے آپ کو مسجود پایا۔ اور بھائیوں اور والدین کو سجدہ شکرانہ کرتے ہوئے هٰذَا تَاْوِيْلُ رُؤْيَايَ فرما دیا۔

دوم واقعہ یعنی اثناء ذکر واستغراق میں ایسی حالت آ کر طاری ہو جائے کہ محسوسات غائب ہو جائیں اور بعض امور غیبی کے بعض حقائق کھل جائیں جیسے نائم پر حالت نوم میں کھل جاتے ہیں۔ ان میں بھی نفس اور روح مشارک ہوتے ہیں۔ سوم مکاشفہ اس میں واقعہ کی طرح محسوسات سے غائب ہونا لازمی نہیں۔ بلکہ وہی حالت

حضوری میں ہی ہو جاتی ہے اور اعلیٰ مکاشفہ کی صفت یہ ہے کہ روح انسانی غواشئ بدن سے تجرد پا کر مطالعہ مغیبات میں تفرد حاصل کرے۔ یہ تجرد اور تفرد بھی بقدر مراتب ہوتا ہے۔ کیوں کہ کشف درحقیقت آئینہ خیال میں صورت مثال کے عکس پڑنے کا نام ہے۔ پس جس قدر زیادہ آئینہ خیال مصفا و مجلی ہوگا اسی قدر کشف بھی درست اور صادق ہوگا ورنہ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بیہقی وقت ''ارشاد الطالبین'' میں لکھتے ہیں کہ انبیاء کے خواب بھی وحی قطعی ہیں اور اولیاء کے رویا اور کشف میں بھی خطا واقع ہوتی ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب جن کے مجددیت اور مثیلیت کی بنیاد زیادہ تر الہام ومکاشفہ پر ہے اس بارہ میں علماء صوفیہ سلف وخلف کی طرح مان چکے ہیں کہ کشف میں خطا کا احتمال بہت ہے (ازالہ ۵۶۷) شیطان اپنی شکل نوری فرشتہ کے ساتھ بدل کر بعض لوگوں کے پاس آجاتا ہے (ازالہ ۶۲۹) ''الہام ولایت یا الہام عامہ مومنین بجز موافقت ومطابقت قرآن کریم کے حجت نہیں (ازالہ ۶۲۹) بلکہ مرزا صاحب تو انبیاء کے الہامات اور اولوالعزم رسولوں کے مکاشفات کو بھی صحیح اور قابل اعتماد نہیں سمجھتے ہیں بلکہ جائز رکھتے ہیں کہ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کا کشف بھی ایسا مکدر ہو کہ حقائق غیبیہ کا ظہور اس کشف کے خلاف ہو۔ انبیاء کے الہامات صحیح نہ ہونے پر آپ نے ازالہ صفحہ ۶۲۹ پر لکھا ہے۔'' مجموعہ توریت میں سے سلاطین اول باب ۲۲ آیت ۱۹ میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں (۱) چار سو نبی نے اس کی فتح کے بارہ میں پیش گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست آئی۔ بلکہ وہ اسی

☆ حاشیہ: ۱: معشر مسلمین ناظرین باتمکین! جب میں نے ازالہ میں یہ مقام پڑھا تو اس وقت جو کچھ میرے دل پر گذرا میں اس کا بیان نہیں کرسکتا۔ میں حیران تھا کہ ایک وقت اور ایک جگہ میں چار سو نبی کیوں مبعوث ہوئے تھے اور انبیاء کے اتنے جم غفیر کا ایک متفقہ الہام میں کاذب نکلنا کیا معنی رکھتا ہے۔ جب ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایک نبی کے ایک رویا، الہام، کشف میں بھی کذب کا احتمال تک نہیں پھر زیادہ حیرت بخش

بقیہ حاشیہ: مرزا صاحب کی یہ عبارت تھی کہ دراصل وہ الہام ایک ناپاک روح یعنی شیطان کی طرف سے تھا کہ کیوں کر انبیاء کرام پر وحی شیطانی کا نزول ہوسکتا ہے اور کیوں کر یہ ممکن یا قرین قیاس ہے کہ سینکڑوں نبی شیطانی الہام کے دھوکے میں آجائیں اور ایسے کہ اسے ربّانی بھی سمجھ لیں۔ میں جس قدر زیادہ ان الفاظ پر غور و تدبر کرتا تھا، اسی قدر زیادہ میری حیرانی و پریشانی اور سراسیمگی بڑھتی جاتی تھی۔ مجھے بار بار یہی خیال آتا تھا کہ اس مقام پر احبار یہود نے لفظی و معنوی تحریف کی ہے مگر ایسا یقین کرنے کے لیے بھی میرے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ آخرش میں نے بائبل لی ....اور سلاطین اول کو ابتدا سے لے کر آخر سلاطین دوم تک تمام و کمال پڑھا۔ الحمد للہ کہ میری تمام حیرانی و پریشانی جاتی رہی اور مجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس مقام میں تحریف بھی نہیں بلکہ صرف جناب مرزا صاحب کے تجدد طبع کا نتیجہ ہے؟ نہ انبیائے الٰہی میں سے کسی نبی نے کسی بادشاہ کو فتح کی خبر دی، نہ ان کا الہام غلط ہی ہوا اور نہ کسی نبی نے شیطانی الہام کو دھوکا کھا کر ربانی ہی سمجھا؟ مرزا صاحب نے اس جگہ توریت کو بالکل الٹ پلٹ دیا ہے اور اس موقعہ پر ان بے باک اور نڈر یہودیوں کی یاد کو تازہ کردیا ہے جن کی شان میں ﴿یحرفون الکلم عن مواضعه﴾ نازل ہوا تھا۔ دیکھو سلاطین اول باب ۱۶ درس ۲۹۔ سلاطین میں قصہ یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل میں سے ایک بادشاہ کا نام اخی اب اور اس کی بیگم کا نام ایزیل تھا ۳۱۔ یہ دونوں بعل بُت کی پرستش کیا کرتے تھے دیکھو درس ۳۱۔ بادشاہ پسندی سے بہت سے پوجاری اپنے آپ کو بعل کے نبی کہلاتے تھے۔ جن میں سے ساڑھے چار سو اس بت کے مندر پر حاضر رہتے اور چار سو بادشاہ کے دارالخلافہ میں، جن کے رہنے کے لیے نہایت سرسبز باغ مقرر کیے گئے تھے اور ان کو خاص بیگم کے دسترخوان پر کھانا ملتا تھا۔ جب اس بادشاہ نے اپنے دشمن پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تو ان چار سو بعل کے نبیوں سے (کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو بعل کے نبی کہتے اور کہلاتے تھے) اس بارہ میں دریافت کیا۔ سب نے بتلایا کہ وہ فوج کشی کرے فتح پائے گا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا ان نبیوں کے سوا اگر

نکلنے کا سبب اسی صفحہ پر مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں۔'' اس کا سبب یہ تھا کہ دراصل

بقیہ حاشیہ: کوئی اور بھی نبوت کا دعوی کرتا ہو تو اس سے بلا کر بھی دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت ایلیاہ علیہ السلام بلائے گئے اور انہوں نے آتے ہی بادشاہ کو کہہ دیا۔ سلاطین ۱- باب ۱۸- درس ۲۲ خدا کے نبیوں میں سے ہاں صرف میں ہی باقی ہوں۔'' اور یہ بھی بادشاہ کو کہا۔ سلاطین ۱- باب ۱۸ درس ۱۹۔ بعل کے ساڑھے چار سو نبیوں کو اور گھنے باغوں کے چار سو نبیوں کو جو ایزبل کے دستر خوان پر کھاتے ہیں کوہ کرمل پر مجھ پاس اکٹھا کر۔'' اور پھر ان سب بعل کے نبیوں کے خلاف آپ نے فرمایا کہ بادشاہ کی بیگم نے فلاں غریب ہمسایہ کی زمین جور وستم سے لے کر اور اس کو تہمت دے کر قتل کرایا ہے۔ اس لیے جس جگہ پر کتوں نے نبات (ہمسایہ کا نام ہے) کا لہو چاٹا ہے اسی جگہ تیرا بھی لہو کتے چاٹیں گے۔ باب ۲۱۔ درس ۱۹ سلاطین اول۔ خدا (تیری بیگم) ایزبل کے حق میں بھی فرماتا ہے کہ یزاعیل کی دیوار کے پاس اس کو کتے کھائیں گے ۲۳۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس بعل پرست بادشاہ کو جس کو بعل کے نبیوں نے فتح کی اور خدا کے نبی نے شکست اور قتل وذلت کی خبر دی تھی شکست وقتل وذلت معہ اس کی بیگم کے نصیب ہوئی۔ سلاطین اول کے باب ۱۸ درس۔۴ میں یہ بھی ہے کہ ایلیاہ علیہ السلام نے ان ساڑھے چار سو نبیوں کو قتل کیا علی ہذا سلاطین دوم کے باب۔ اور ص ۲۵ میں ہے کہ یاہو نے بعل کے باقی سب نبیوں کو قتل کیا اور سلاطین اول میں بعل کے ان سب نبیوں کو حضرت ایلیاہ نے معجزہ دکھانے پر مجبور کیا اور جب وہ نہ دکھا سکے تو خود دکھلایا۔ اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوا کہ بائبل نے جن لوگوں کو بعل کے نبی اور کاذب بتایا ہے اور ان کا خدا کے نبی کے سامنے ذلیل اور مقتول وخوار ہونا بیان کیا ہے۔ مرزا صاحب نے پہلے تو ان کاذبوں کو خدا کے نبی قرار دیا ہے اور پھر نبی خدا بنا کر ان کو جھوٹا اور وحی شیطانی کا قبول کنندہ بتایا ہے اور اس کے بعد پھر اپنا ان پر تفوق ظاہر کیا ہے اور نہایت عجز سے لکھا ہے مگر اس عاجز کی کسی پیش گوئی میں کوئی الہامی غلطی نہیں اور تو اور میں اس جگہ مرزا صاحب کی بلاغت کی تعریف کرتا ہوں کہ عاجز کا لفظ کیسے عمدہ موقع پر تحریر کیا ہے کہ بعل کے ان نبیوں پر مرزا جی کو

وہ الہام ایک ناپاک روح کی طرف سے تھا اور نوری فرشتہ کی طرف سے نہیں تھا اور ان نبیوں نے دھوکا کھا کر ربانی سمجھ لیا تھا۔'' اسی واقعہ کا حوالہ مرزا صاحب نے رسالہ تقریر دل پذیر وفات بشیر کے صفحہ ۷ زیر حاشیہ میں بدیں الفاظ دیا ہے کہ بنی اسرائیل کے چار سو نبی نے ایک بادشاہ کی فتح کی نسبت خبر دی اور وہ غلط نکلی یعنی بجائے فتح کے شکست ہوئی۔ دیکھو سلاطین اول باب ۲۲ آیت ۱۹ مگر اس عاجز کی کسی پیش گوئی میں کوئی الہامی غلطی نہیں۔''

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے نزدیک نہ صرف ایک بلکہ چار سو نبیوں کا الہام اور وہ بھی متفقہ الہام غلط ہوسکتا ہے اور الہام شیطانی بھی ایسے زرق و برق کے ساتھ ہوا کرتا ہے کہ نبیوں کی تعداد کثیر بھی اس کے دھوکے میں آسکتی ہے بلکہ آچکی ہے۔

اب رسولوں کی نسبت ملاحظہ فرمائیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں ''مسیح کا مکاشفہ بہت صاف نہیں تھا۔(ازالہ ۶۹۰) یہ دخل (شیطانی کلمہ کا) کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے۔ ازالہ ۶۲۸ - اور سیّد الانبیاء ﷺ کی نسبت تحریر

بقیہ حاشیہ: فوقیت مل بھی سکتی ہے۔

افسوس ہے کہ نقل اور حوالہ کتاب میں ایسی تحریف کی جاتی ہے اور شیطانوں کا نام انبیاء رکھا جاتا ہے۔ معاذ اللہ اب ہم اصل قصہ سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب کو ان کے اس بیان میں سچا بھی فرض کرلیں کہ چار سو نبی پر ناپاک روح یعنی شیطان کا الہام ہوا اور انہوں نے دھوکا کھا کر اس کو ربانی بھی سمجھ لیا اور اس کو مشتہر بھی کر دیا ہو۔ تو مرزا صاحب خود ہی غور فرمائیں کہ پھر ان کو اپنے الہام پر تمام امت محمدیہ ﷺ کے خلاف عقائد اور ایمانیات میں اتنا بھروسہ اور اعتبار کرنے کی کون سی وجہ ہے جب کہ ان کو نبیوں کی چار سوئی جماعت کے سامنے کمیۃ و کیفیۃ کی نسبت نہیں ہوسکتی۔ عصاء موسیٰ کے مصنف نے قاضی صاحب مدظلہ کی اسی تحقیقات پر عقائد مرزائیہ سے توبہ کی تھی۔ (ہدایت اللہ)

فرماتے ہیں کہ کچھ تعجب نہیں کہ آنحضرت ﷺ پر ابن مریم، دجال، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض، دجال کے ستر باع کے گدھے کی حقیقت کاملہ اور اصل معلوم نہ ہوئی ہو۔ (مختصراً) ازالہ ۶۹۱۔ ان تمام عبارات کے بعد جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اولیاء کا الہام اور کشف اور مرزا صاحب کے نزدیک انبیاء کا الہام اور کشف بھی جب حجت اور دلیل نہیں بن سکتا تو پھر ہر ایمان دار اندازہ کرسکتا ہے کہ ایک عامی کا الہام کیا درجہ رکھ سکتا ہے اور اس کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟ مرزا صاحب کے نزدیک گو انبیاء اور رسل کے الہام اور مکاشفہ میں غلطی ہوتی رہی ہے مگر ان کے خیال میں یہ نہایت مشکل ہے کہ تمام افراد امت کا بھی یہی حال ہو ان کا خیال ہے کہ محدث (۱) جو امت میں سے ہی ایک فرد ہوتا ہے۔ ایسے درجہ کا شخص ہوتا ہے کہ اس کے الہام کو وحی کہنا چاہیے اور یقین کرنا چاہیے کہ رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو آمیزش شیطانی سے منزہ کیا جاتا ہے۔ (توضیح ص ۱۰۱) پھر ازالہ کے صفحہ ۹۱۳ پر لکھا ہے کہ ”محدث حالت درر بودگی میں جو کلام لذیذ لے آتا ہے وہی تو وحی الٰہی ہوتی ہے۔“ میں زیادہ تر اسی کی تنقیح کرنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کے اس دعوی پر کہ وہ بھی محدث ہیں، میں غائۃ المرام میں بخوبی بحث کر چکا ہوں کہ صحیحین کی حدیث مرفوع متصل اور سنن ترمذی کی حدیث صحیح اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے جس کو امام بخاری اپنی صحیح کی تعلیقات میں لائے ہیں اور ان خواص سے جن کا محدّث میں ہونا لازمی ہے، یہی ثابت ہے کہ

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوا امت محمدیہ ﷺ میں اور کوئی محدّث نہیں۔ اب اس جگہ میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا فی الواقع محدث کی وحی (۲)

☆ حاشیہ: ۱: محدّث کو مرزا صاحب نے یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود محدّث ہونے کا دعویٰ ہے۔ فقط۔

☆ حاشیہ: ۲: محدث کے الہام کا نام وحی رکھنا یہ بھی مرزا صاحب کا ہی کام ہے ورنہ اسلام نے لفظ وحی کا استعمال خاص انبیاء کے لیے کیا ہے۔

آمیزش شیطانی سے پاک ہوتی ہے (جیسا کہ مرزا صاحب کا اعتقاد ہے) یا نہیں (جیسا جمہور سے مروی ہے)

اس بارہ میں کتاب الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان سے میں ایک فصل کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

''ولی خدا کی شروط میں سے یہ بات نہیں کہ وہ معصوم ہو اور غلطی یا خطا نہ کرے بلکہ جائز ہے کہ علم شریعت کا کوئی حصہ اس سے مخفی رہے اور بعض امور دین اس پر مشتبہ رہیں۔ حتیٰ کہ بعض ممنوع امور کو مامور بہ خیال کر بیٹھے۔ یا وہ بعض خوارق کو کرامات اولیاء میں سے شمار کرنے لگے۔ حالانکہ وہ شیطانی ہوں اور شیطان نے اس کو ناقص کرنے کے لیے تلبیس کر دی ہو اور اس بندۂ خدا کو اس امر کی آگاہی بھی نہ ہو اور بایں ہمہ اس کی ولایت الٰہی میں کچھ فرق بھی نہ آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امت محمدیہ کی خطا ونسیان سے درگذر کی گئی ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ولی خدا سے غلطی کرنا جائز ہے تو ہم کو ضرور نہیں کہ اس ولی خدا کی تمام باتوں کا یقین بھی کر لیا کریں۔ یہ تو نبی کا درجہ ہے بلکہ ولی کو بھی جائز نہیں کہ اگر اس کے دل میں کوئی الہام آئے یا محادثہ وخطاب الٰہی سے وہ مشرف ہونا خیال کرے تو ان پر اعتماد بھی کر لے بلکہ اسے لازم ہے کہ اس الہام وخطاب کو احادیث نبوی کے سامنے پیش کرے۔ اگر احادیث کے موافق ہو تو قبول کرے ورنہ رد کرے اور اگر اسے یہ خبر نہ ہو کہ احادیث سے موافق ہے یا مخالف تو ان میں توقف کرنا چاہیے۔ واضح ہو کہ اس بارہ میں لوگوں کی تین صفتیں ہیں: ایک وسط میں اور دو افراط وتفریط میں ایک وہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شخص کو ولی اللہ سمجھ لیتا ہے تو اس کے ان تمام اقوال میں جن کی نسبت ولی اللہ کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کی طرف سے آئے ہیں، ولی اللہ کی موافقت کر لیتا ہے اور اس کے افعال اسی کو سپرد کر دیتا ہے (خواہ کیسے ہی ہوں)۔ ایک وہ ہے کہ جب کسی نیک شخص سے کوئی ایسا قول یا فعل دیکھ پاتا ہے جو شرع کے موافق نہیں ہوتا تو اس کی ولایت کی ہی نفی کر دیتا ہے گو اس نیک کی یہ غلطی اجتہادی

غلطی ہو مگر واضح ہو کہ بہترین امور اوسط ہوتی ہے چاہیے کہ نہ اسے معصوم سمجھے اور نہ اجتہادی غلطی پر گنہگار ہی قرار دے۔ لازم ہے کہ عام اقوال میں اس کا اتباع نہ کرے اور اجتہادی غلطی (۱) کی وجہ سے کفر اور فسق کا فتوی نہ دیا جائے۔ واجب یہ ہے کہ اتباع صرف ان احکام میں کیا جائے جو اللہ اور رسول نے دیے ہیں۔ مگر جب کسی فقیہ کا قول مخالف شرع اور دوسرے کا موافق پائے تو اس کو یہ الزام دینا کہ یہ شرع کے خلاف کرتا ہے ٹھیک نہیں۔ کیوں کہ صحیحین میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے: قد كان في الامم قبلكم محدثون فان يكن في امتي احد فعمر منهم ''(تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوتے تھے پس اگر ان میں سے کوئی ایک میری امت میں ہے تو عمر ہے) اور ترمذی میں یہ ارشاد نبوی ہے۔''لو لم ابعث فيكم لبعث عمر ''(اگر میں تم میں نبی نہ بنایا جاتا تو عمر بنایا جاتا) نیز ایک اور حدیث میں ہے''ان الله ضرب الحق على لسان عمر وقلبه ''(خدا نے عمر کے دل وزبان پر حق قائم کردیا ہے) اسی حدیث میں ہے''لو كان بعدی نبی لكان عمر ''(اگر کوئی میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتے) اور روایت شعبی میں سیدنا ومولانا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ماكنا نبعد ان السكينة تنطق على لسان عمر (ہم اسے کچھ بعید نہ سمجھتے کہ عمر کی زبان پر سکینہ بول رہا ہے) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے ماكان عمر يقول بشيء انی لاراه كذا الا كان كما يقول (حضرت عمر جس شے کی نسبت کہتے کہ میں اسے ایسا خیال کرتا ہوں وہ ویسی ہی نکلتی) اور قیس بن خارق سے روایت ہے كنا نتحدث ان عمر ينطق على لسانه ملك۔ (ہم آپس میں باتیں کیا کرتے کہ عمر کی زبان پر فرشتہ بول

☆ حاشیہ: ۱: ناظرین کو یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب کی یہ غلطی اجتہادی غلطی نہیں۔ کیوں کہ اجتہاد تو نصوص شرعیہ کے موجود یا معلوم نہ ہونے پر کیا جاتا ہے اگر نصوص صحیحہ وقطعیہ شرعیہ کے ہوتے ہوئے کوئی شخص ان کا خلاف کرے اور اس کا نام اجتہاد رکھے تو ائمہ ملت نے قرار دیا ہے کہ ایسا شخص معاند فی الدین یعنی دین سے عداوت کرنے والا ہوتا ہے۔

رہا ہے) سیدنا عمر فاروق اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اقربوا من افواہ المطیعین واسمعوا منھم ما یقولون فانہ تجلی لھم امور صادقة۔ (اطاعت کرنے والوں کے ہونٹوں سے قریب ہو جاؤ اور جو وہ کہتے ہیں سنو کیوں کہ ان پر امور صادقہ کی تجلی ہوا کرتی ہے۔)

واضح ہو کہ ان امور صادقہ سے وہ مکاشفات مراد ہیں جو اللہ تعالی اپنے دوستوں پر کھول دیتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اولیاء اللہ کے مخاطبات اور مکاشفات ثابت ہیں۔ (مگر ان مخاطبات اور مکاشفات کا بمقابلہ شرع اعتبار کرنے کے لیے تم یہ خیال کرو) کہ سید الانبیاء کے بعد افضل ترین سیدنا ابوبکر اور ان کے بعد سیدنا عمر ہیں اور حدیث صحیح حضرت عمر کا محدث ہونا تعین کر چکی ہے۔ اب امت محمدیہ میں خواہ کوئی شخص محدث اور مخاطب (۱) فرض کرلیا جائے۔ بہر حال سیدنا عمر اس سے افضل و برتر ہوں گے۔ سیدنا عمر فاروق کا یہ حال تھا کہ واجبات شرعی کے موافق کام کرتے تھے اور اپنے واقعات (۲) کو احکام شرعی پر پیش کیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ ان کے الہامات اور واقعات موافق شرع نکلتے اور یہ امر ان کی فضیلت کا باعث سمجھا جاتا۔ جیسا کہ بارہا قرآن مجید حضرت عمر کی موافقت میں نازل ہوا اور بار ہا رب کریم نے حضرت فاروق سے موافقت فرمائی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ وہ الہامات وواقعات خلاف شرع ثابت ہوتے تو سیدنا عمر فاروق ان سے رجوع کر لیتے۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے دن ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے ساتھ صلح کر لی اور صلح نامہ میں بعض ایسی شروط درج ہوئیں جس میں مسلمانوں کی بظاہر سبکی تھی تو بہت

☆ حاشیہ: ۱: اس امام نے جو لفظ ''فرض کیا جائے'' استعمال کیا ہے اس سے واضح ہے کہ ان کا مذہب بھی یہی ہے کہ سوا حضرت عمر کے اور کوئی محدث نہیں۔ جیسا کہ احادیث کا منشا ہے۔

☆ حاشیہ: ۲: لفظ واقعات علم تصوف میں کشف اور تجلیات اور واردات قلبی کو جو غیب سے ہوں کہتے ہیں۔ فقط۔

سے مسلمانوں پر یہ صلح گراں گذری۔ سیدنا عمر بھی انہی میں تھے۔ حتی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی: کیا ہم حق پر اور ہمارے اعدا باطل پر نہیں۔ فرمایا ہاں۔ عرض کی: کیا ہمارے شہید جنت میں اور کفار کے مقتول دوزخ میں نہ جائیں گے۔ فرمایا۔ ہاں۔ عرض کی: پھر کیوں ہم اپنے دین کو سبک ہونے دیں۔ اور ایسی شروط پر صلح کریں، فرمایا: میں خدا کا رسول ہوں اور ہر امر میں وہی مجھے حکم دیتا ہے اور میں اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ عرض کی: کیا آپ (ا) نے نہ فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں پہنچیں اور طواف کریں گے فرمایا ہاں مگر کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال۔ حضرت عمر نے کہا۔ نہیں۔ یہ تو نہیں فرمایا۔ پس تو یقین رکھ کہ (ہم ضرور مشرکین پر غالب آ کر ایک نہ ایک دن بیت اللہ پہنچ کر طواف کریں گے۔ حضرت عمر اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور یہی تقریر کی۔ حضرت صدیق اکبر نے وہی جواب جو رسول خدا نے دیے تھے، ان کو دیے۔ حضرت عمر نے اپنے فہم سے رجوع کیا اور اس کے کفارہ میں بہت سے اعمال کیے۔ اس سے واضح ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ موافقت نبوی میں سیدنا عمر سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ ایسا ہی حال وفات نبوی پر ہوا کہ حضرت عمر محدث نے انکار موت کیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب خطبہ پڑھا کہ حضور کا انتقال ہوگیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ محدث

☆ حاشیہ: ا: مرزا صاحب نے اس قصہ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے اور اس تائید میں کہ پیش گوئی کے سمجھنے میں غلطی ہوجایا کرتی ہے۔ اس قصہ کا حوالہ دے کر نتیجہ نکالا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خواب کے بھروسہ پر مدینہ منورہ سے بہ نیت عمرہ و طواف چل پڑے تھے مگر اس سال مشرکین نے اجازت نہ دی اور تب معلوم ہوا کہ خواب اس سال کے متعلق نہ تھا۔ مرزا صاحب کو لازم ہے اس مکالمہ نبوی کو جو حضرت عمر کے ساتھ ہوا دیکھیں اور سمجھیں کہ سال کا تعین رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی نہ اپنے دل میں نہ اپنے کلام میں کیا تھا اور آپ کا مکہ آنا صرف بتقاضائے شوق صحابہ تھا۔ لہٰذا آپ رسول کریم کی طرف ایسی غلط نسبت لگانے سے احتراز کریں۔ فقط۔

نے اپنے قول سے رجوع فرمایا۔ علیٰ ہذا جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے آکر کہا: آپ ان سے کیوں کر قتال کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو یوں فرمایا ہے:

''امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا أن لا اله الا الله وانی رسول الله فاذا قالوها عصموا منی دمائهم واموالهم ال بحقها''۔

حضرت صدیق نے فرمایا جب الا بحقها لفظ موجود ہے تو تم یاد رکھو کہ زکوٰۃ بھی اسی کا حق ہے میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ اگر کوئی عہد نبوی سے ایک بچہ شتر بھی مجھ کو کم دے گا تو میں اس سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ اس تقریر کے بعد میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالی نے ابوبکر کے سینہ کو جنگ کے لیے کھول دیا ہے اور حق بھی یہی ہے۔ ایسے ہی اور بہت نظائر ہیں جن سے سیدنا ابوبکر کا تقدم سیدنا عمر پر ثابت ہے حالانکہ حضرت عمر محدث ہیں۔ بات یہ ہے کہ صدیق کا مرتبہ محدث سے اوپر ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ صدیق جو کچھ لیتا ہے وہ رسول معصوم کے قول اور فعل سے لیا کرتا ہے مگر محدث اپنے قلب سے بھی بہت اشیا (الہام مکاشفات وغیرہ) لیا کرتا ہے اور اس لیے کہ محدث کا قلب معصوم نہیں ہوتا۔ اسے ضرور ہوتا ہے کہ اپنی واردات قلبی کو احادیث کے سامنے پیش کرے۔ یہی وجہ ہے (کہ باوجود محدث ہونے کے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ سے مشورت لیا کرتے اور مناظرہ فرمایا کرتے اور بعض امور میں دوسروں کی رائے کی طرف رجوع کرلیا کرتے تھے۔ علی ہذا صحابہ بھی اکثر امور میں حضرت عمر سے تنازع کیا کرتے تھے۔ صحابہ آپ پر کتاب اور سنت کے دلائل وارد کرتے اور آپ صحابہ پر، آپ ان لوگوں کو برابر تنازع اور بحث کرنے دیتے اور کبھی یہ نہ فرماتے کہ میں محدث، ملہم اور مخاطب من اللہ ہوں۔ اس لیے تم کو چاہیے کہ میرا قول قبول کرلو۔ اور مجھ سے معارضہ نہ کرو۔ جب حال یہ ہے تو اب خواہ کوئی شخص خود ولایت اور مخاطبت الٰہی کا مدعی ہو یا اس کے مرید۔ اور تجویز کرتے ہوں کہ اس کے مریدوں پر اس کے تمام اقوال و افعال کا ماننا ضروری

اور اس کی واردات کا تسلیم کر لینا بلا کتاب اور سنت سے پرکھ لینے کے لابدی ہے تو وہ خود نیز اس کے مرید سب خاطی ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی گمراہ ہیں۔ ان کو یاد کرنا چاہیے کہ سیدنا عمر فاروق ان سب سے افضل ہیں اور امیر المومنین بھی ہیں مگر مسلمان برابر آپ سے جھگڑا کرتے اور آپ کے مقولوں کا کتاب اور سنت سے معارضہ کیا کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام امت کے ائمہ سلف وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بجز رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی ایسا شخص نہیں جس کا کوئی قول لیا اور چھوڑا نہ جائے کیوں کہ نبی اور ولی میں صرف یہی فرق ہے۔''

اس قدر لکھنے کے بعد ہم مرزا صاحب کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اول تو آپ کا محدث ہونے کا دعویٰ ہی ایسا ہے، جس کی صحیحین اور سنن کی احادیث مرفوع و مرسل تکذیب کر رہی ہیں۔ پھر اس کے بعد جو آپ نے محدث کے یہ نو خواص قرار دیے ہیں:

۱۔ محدث (۱) بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے۔ گو اس کے لیے نبوت تامہ نہیں۔ تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہوتا ہے۔

۲۔ کیوں کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔

۳۔ امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جاتے ہیں۔

۴۔ رسولوں اور نبیوں کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزّہ کیا جاتا ہے۔

۵۔ اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے۔

۶۔ اور بعینہ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔

۷۔ اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باآواز بلند ظاہر کرے۔

۸۔ اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے۔

۹۔ اور نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں

☆ حاشیہ: ۱: میں نے صرف ان صفات پر نمبر لگا دیے ہیں۔ عبارت کل مرزا صاحب کی ہے جس میں سے نہ ایک حرف کم کیا گیا۔ نہ ایک زیادہ۔ فقط۔

پائے جائیں (توضیح ص ۱۸)

پس اگر ان صفات کا محدث کی ذات میں ہونا ضروری اور لابدی ہے اور محدث وہی ہوتا ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں تو مناسب ہے کہ سب سے پیشتر آپ ان صفات کا وجود حضرت عمر فاروق میں جو بالتحقیق محدث ہیں ثابت کیجئے۔ بجائے اس کے کہ محدث کا ایک معنی سے نبی ہی ہونا آپ ثابت کرسکیں۔ میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتا ہوں: قد کان فی قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی منھم احد فعمر جس میں صاف تصریح ہے کہ محدث نبی نہیں ہوتا۔ نہ ایک معنی سے نہ دو چار معنی سے۔ اس حدیث کو آپ نے بھی ازالہ ص ۹۱۴ پر درج کیا ہے اور یہی ترجمہ اس کا کیا ہے۔ اب رسولوں اور نبیوں کی طرح محدث کی وحی کا آمیزش شیطانی سے منزّہ ہونا بھی تحقیق طلب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بعض ایسے حرکات سرزد ہوئے ہیں، جن کا ان کو کفارہ دینا پڑا۔ تو تنزّہ کہاں رہا۔ علی ہٰذا بعینہ انبیاء کی طرح محدث کا مامور ہوکر آنا یہ بھی فیصلہ طلب ہے اگر چہ بعینہ کی عینیت کے معنی میری سمجھ میں آج تک نہیں آئے کیوں کہ جب عینیت ہی ہوگئی تو غیریت کے کیا معنی اور باوجود تحقیق عینیت ایک کو محدث اور دوسرے کو نبی کہنے میں تفریق کی کیا وجہ۔ مگر اس میں بھی مرزا جی کو ثابت کرنا تھا کہ حضرت عمر فاروق کب اور کیوں کر مامور ہوکر آئے تھے۔ اسی کے ساتھ مرزا صاحب کا یہ فقرہ ہے کہ بعینہ انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے۔ حضرت عمر فاروق کی محدثیت کا ظہور زیادہ ان کے زمانۂ خلافت میں خیال کیا جاسکتا ہے۔ سو آپ کو معلوم ہے اور کل مورخین جانتے ہیں کہ حضرت عمر کے نام خلافت نامہ لکھ کر جب خلیفہ رسول نے ان کو طلب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف فرمایا تھا۔ ''مرا بخلافت حاجت نیست'' (ناسخ التواریخ) تو کیا حضرت عمر نے اس فرض کو اسی طرح بآواز بلند ظاہر کیا تھا کہ خلافت سے قطعی انکار کیا اور گوشۂ خمول میں بسر کرنے کو زیادہ پسند فرمایا تھا۔ اب رہا یہ کہ محدث سے

انکار کرنے والا ایک درجہ تک مستوجب سزا ہوتا ہے۔ اس کلیہ میں خدا جانے کتنے صحابہ رسول داخل ہوگئے ہوں گے جو مسائل اور واقعات میں نہایت آزادی کے ساتھ حضرت عمر سے بحث کیا کرتے تھے۔ بالخصوص حضرت صدیق اور حضرت ابو تراب علی کرم اللہ وجہہ تو ضروری ہی مرزا صاحب کے نزدیک اس کلیہ میں داخل ہوں گے۔ جنہوں نے بارہا حضرت عمر کی رایوں کا خلاف کیا اور ان کو ساکت بھی کردیا۔ اب رہی سب سے آخری وجہ کہ نبوت کے معنی یہی ہیں کہ امور متذکرہ اس میں پائے جائیں تو میں حیران ہوں کہ پھر محدث کی نبوت کو جزئی کہنے کی جرأت اور مبادرت آپ نے کیوں کر کی۔ اجی حضرت جب نبوت کے معنی ہی یہ ہیں تو پھر جس کو بظاہر محدث کہا جاتا ہے وہ بباطن نبی کیوں نہیں۔ اور جب یہی بات ہے تو آپ اس سے بھی زیادہ صاف جس کو اردو کی پہلی پڑھنے والے بھی سمجھ لیں، کیوں نہیں لکھ دیتے۔ مگر کوئی مصلحت ہے جس نے مہر سکوت لگا دی ہے ؎

دل میں حرف آرزو کا خون ہوا

لب پہ رنگ پان جمانا چھوڑ دے

مرزا صاحب! میں رب کریم کے فضل سے ثابت کرچکا ہوں کہ اولیاء کا کشف اور الہام حجت اور دلیل بننے کی ذرا صلاحیت اور قابلیت نہیں رکھتا اور اسی مضمون میں آپ کی تحریروں سے ثابت کرچکا ہوں کہ آپ کا یہی اعتقاد نہ صرف اولیاء بلکہ انبیاء کے حق میں بھی یہی ہے مگر آپ محدث کو کوئی ایسی شے سمجھے ہوئے تھے جس کے الہام کو آمیزش شیطانی سے تنزیہ حاصل ہے۔ میں نے اس فہم کا بھی سراپا غلط ہونا ثابت کردیا۔ اب آپ بہر خدا آیئے اور اس الہام کے بھروسہ پر جو دعاوی کیے ہیں ان کو خیر باد کہہ دیجیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وفات مسیح اور عدم نزول مسیح اور اپنی قائم مقامی بجائے مسیح کے خیالات آپ کو اپنے الہام سے پیدا ہوئے۔ جس کو آپ نے ان الفاظ میں تسلیم کرلیا ہے۔ ''مجھے یقیناً معلوم ہے کہ میری اس رائے کے شائع ہونے کے بعد جس پر میں بیّنات الہام سے قائم کیا گیا ہوں۔ بہت سی

مخالفانہ قلمیں اٹھیں گی۔ توضیح صفحہ اول۔ (۱) اور ان الہامات کو مقدم رکھ کر پھر آپ نے نصوص شرعیہ قرآن اور حدیث کی تاویل کر کے ان کو اپنے سانچے میں ڈھالا ہے اور اس امر میں آپ نے نہایت جرأت فرما کر قرآن وحدیث کو تابع اور الہام کو متبوع ٹھہرا دیا ہے۔ لہٰذا آپ خیال فرمائیں اور ان عقائد سے توبہ کریں۔

میں اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے مرزا صاحب سے یہ مسئلہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب ایک ہی شخص کے دو الہام آپس میں متضاد اور متناقض ہوں تو ان دونوں میں سے اس کو اور نیز دیگر اشخاص کو کس پر یقین اور عمل کرنا چاہیے۔ خصوصا جب کہ ایک الہام تو کل اہل اسلام کے عقیدہ کے موافق ہو۔ اور دوسرا کل اہل اسلام کے مخالف اور اس موافق ومخالف ہونے کا صاحب الہام کو خود بھی اقرار ہو۔ جب آپ اس کا جواب عطا فرمائیں گے تو حیات اور وفات مسیح کی بحث چار سطروں میں ختم ہو جائے گی۔

☆☆☆

☆ حاشیہ: ا: ازالہ کے ۱۸۲ صفحہ پر لکھا ہے میرے اس دعوی پر ایمان لانا جس کی الہام الٰہی پر بنا ہے، کون سی اندیشہ کی جگہ ہے بفرض محال اگر میرا یہ کشف والہام غلط ہے اور جو کچھ مجھے حکم ہوتا ہے اس کے سمجھنے میں میں نے دھوکا کھایا ہے تو ماننے والے کا اس میں حرج بھی کیا ہے۔ ہاں صاحب حرج صرف اتنا ہے کہ یہ شخص احادیث کا جھٹلانے والا بن جاتا ہے یعنی فقط ایمان جاتا ہے اور بس۔

امام محمد بن عبداللہ المہدی علیہ السلام

مرزا صاحب نے مثیل مسیح کے دعوی کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کر دیا ہے کہ امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہ خود ہیں اور عیسیٰ کے سوا اور کوئی مہدی آنے والا نہیں۔ میں اس مقام پر مختصر طور پر کچھ احادیث نقل کروں گا۔ جس سے واضح ہو جائے کہ احادیث میں عیسیٰ مسیح سے پہلے آنے والے مہدی کی نسبت کیا ظاہر فرمایا گیا ہے اور وہ کس جلالتِ شان کے ساتھ دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

اول ان فتنوں کا بیان کیا جاتا ہے جو ظہوری مہدی علیہ السلام سے پہلے ہوں گے:

وہ فتنہ سفیانی ہے یہ ملک شام سے خروج کرے گا۔ علی مرتضی سے روایت ہے کہ یہ خالد بن یزید بن ابی سفیان کی اولاد سے ہوگا۔ بزرگ سر، چیچک رو، آنکھ میں سفید نقطہ۔ یہ اس کا حلیہ ہے۔ وادی یاس سے نکل کر دمشق میں داخل ہوگا۔ ۳۶۰ سوار اس وقت اس کے ساتھ ہوں گے۔ ایک ماہ کے بعد قبیلہ کلب کے تیس ہزار آدمی (جو اس کی ننھیال ہوں گی) اس سے آملیں گے۔ اسی زمانہ میں ملک مصر سے ابقع خروج کرے گا اور جزیرۂ عرب سے اصہب نکلے گا۔ سفیانی دونوں پر غالب آ جائے گا۔ ترک اور روم سے بمقام قرقیا جنگ میں فتح پائے گا۔ قریش کو قتل کرے گا، بغداد میں ایک لاکھ، کوفہ میں ستر ہزار کو تہ تیغ بے دریغ کرے گا، ایک لشکر مدینہ منورہ کی جانب روانہ کرے گا، سادات میں سے جسے پائے گا قتل کرے گا، بنی ہاشم مارے جائیں گے، بہت سے لوگوں کو پکڑ کر کوفہ لے جائے گا۔ امام مہدی بھاگ کر مکہ میں آ جائیں گے۔

مکہ معظمہ میں اس سال حج کے موقع پر سات عالم مختلف مقامات سے

آئیں گے۔ ہر عالم کے مرید تین سو سے زیادہ ہوں گے۔ آپس میں کہیں گے ہم اس شخص کی تلاش میں آئے ہیں۔ جس کے ہاتھ سے یہ فتنہ دور ہو۔ قسطنطنیہ فتح ہو۔ ہم اس کا نام اس کے باپ کا نام، اس کی ماں کا نام جانتے ہیں۔ یہ علماء مکہ میں امام مہدی کو تلاش کر لیں گے۔ اور کہیں گے کہ تم فلاں بن فلاں ہو۔ فرمائیں گے۔ میں تو انصار میں سے ایک آدمی ہوں۔ علماء پھر واقف کاروں سے تحقیقات کرنے لگیں گے اور امام مہدی مکہ سے مدینہ کو تشریف لے جائیں گے۔ علماء ان کی تلاش میں مدینہ پہنچیں گے۔ امام مہدی مکہ میں تشریف لے آئیں گے۔ تین بار اسی طرح آمد و رفت ہوگی۔ حاکم مدینہ کو (جو سفیانی کا نائب ہوگا) جب یہ معلوم ہوگا کہ لوگ مہدی کی تلاش میں مکہ سے آتے جاتے ہیں۔ تو وہ مکہ پر لشکر کشی کے لیے ایک فوج تیار کرے گا۔ تیسری بار میں یہ عالم امام مہدی کو بیت الحرام میں درمیان رکن اور مقام کے پائیں گے اور ان کو بیعت لینے پر مجبور کریں گے۔ کہیں گے دیکھو سفیانی کا لشکر ہمارے تعاقب میں ہے، وہ آتے ہی قتل عام کر دے گا، اس کا گناہ آپ کے سر ہوگا۔ حضرت امام مہدی نماز عشاء کے وقت رکن اور مقام کے درمیان بیٹھ کر بیعت لیں گے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی تیغ و علم اور کرتہ ہوگا۔ ان کا ظہور تین سو تیرہ آدمی کے ساتھ ہوگا۔ یعنی اصحاب طالوت کے برابر یہ سب کے سب ابدال شام، عصائب عراق نجائب مصر ہوں گے۔ رات کو عابد، دن میں شیر۔ اتنے میں وہ لشکر جو مدینہ سے علماء کے تعاقب میں چلا تھا آپہونچے گا۔ یہ لشکر امام کے ساتھ جنگ کر کے شکست پائے گا اور مسلمان ان کا تعاقب کر کے مدینہ کو ان کے قبض و تصرف سے چھڑا لیں گے۔ سفیانی کا دوسرا لشکر جو کوفہ سے چلا ہوگا، امام مہدی کے ساتھ جنگ کرنے آئے گا۔ جو زمین بیداء میں پہنچے گا۔ تمام لشکر زمین میں دھنس جائے گا۔ صرف ایک شخص بچے گا وہ سفیانی کو یہ خبر جا کر سنائے گا۔

۲- ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا اس کو حارث کہیں گے۔ وہ کھیتی والا ہوگا۔ اس کے مقدمہ لشکر پر ایک شخص ہوگا جس کا لقب منصور ہوگا۔ وہ آل محمد ﷺ کو جگہ دے

گا۔ جس طرح قریش نے رسول ﷺ کو جگہ دی تھی۔ ہر مسلمان پر اس کی مدد کرنا واجب ہے۔ حارث کا لشکر سفیانی کے ساتھ چند لڑائیاں کرے گا ایک تونس میں، دوسری دوری میں، تیسری تخوم رنج میں (مرزا صاحب حارث تو بن گئے۔ مگر یہ جنگ بھی کیے ہوتے) جب یہ لڑائی ملول کو پہونچے گی تو ایک بنی ہاشم سے بیعت کریں گے۔ اس کی سیدھی ہتھیلی میں ایک تل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے کام کو اس کی راہ کو سہل کردے گا۔ یہ امام مہدی کا عمزاد بھائی ہوگا وہ آخر مشرق میں ہوگا۔ اہل خراسان وطالقان نکلیں گے۔ ان کے ہمراہ چھوٹے چھوٹے کالے نشان ہوں گے۔

حدیث میں آیا ہے۔ جب تم سنو کہ کالے جھنڈے خراسان کی طرف سے آئے۔ تو تم وہاں پہونچو۔ اگر چہ سینہ کے بل برف پر چلنا ہو۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: اگر میں صندوق کے اندر مقفل ہوں۔ تو قفل وصندوق کو توڑ کر باہر نکلوں اور ان سے جاملوں۔ اس لشکر کی لشکر سفیانی کے ساتھ بڑی لڑائی میدان اصطخر میں ہوگی۔ گھوڑے خون میں چلیں گے۔ پھر ایک لشکر جرار بجستان سے آئے گا جس پر بنی عدی کا شخص افسر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے انصار وجنود کو غالب کرے گا (یہ خراسانی لشکر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوجائے گا۔)

۳۔ ایک لڑائی مدائن میں ہوگی۔ واقعہ رے کے بعد۔ دوسری عاقرفا میں۔ یہ بہت سخت ہوگی جو بچے گا وہ اس کی خبر دے گا۔ کالے جھنڈے پانی پر اتریں گے (حدیث میں پانی کا لفظ ہے۔ غالباً اس سے دریائے دجلہ مراد ہے)

۴۔ سفیانی زمین پر فساد کرے گا۔ دن دوپہر مسجد دمشق میں شراب پی کر عورت کے ساتھ کھلم کھلا صحبت کرے گا۔ اس وقت ایک مسلمان اٹھ کر کہے گا۔ افسوس تم مسلمان ہوکر کافر ہوگئے۔ یہ کام کب حلال ہے۔ سفیانی اس کو معہ اس کے ہمراہیوں کے مسجد میں ہی قتل کردے گا۔ اس وقت آسمان سے آواز آئے گی۔

”ایها الناس ان الله قد قطع عنکم الجبارین والمنافقین واشیاعهم وولاکم خیر امة محمد ﷺ فالحقوه بمکة فانه المهدی

واسمه احمد بن عبد الله (۱)

ترجمہ! لوگو! خدا نے ان ظالموں اور منافقوں وغیرہ کو تمہارے سے جدا کر دیا اور امت محمد یہ میں سے بہترین شخص کو تمہارا والی کر دیا۔ اب تم اسے مکہ میں جا ملو۔ وہ مہدی ہے۔ اس کا نام احمد بن عبد اللہ ہے۔"

۵- حضرت امام مہدی کا ایک عم زاد اد بھائی صخری نام ہوگا۔ آپ اس کو اپنی بیعت کے لیے بلائیں گے وہ آ کر بیعت کرے گا۔

۶- قبیلہ کلب سے ایک آدمی کنانہ نام کا پیدا ہوگا۔ اس کی آنکھ میں پھلی ہوگی۔ اس کے بہکانے سے صخری بیعت توڑ دے گا۔ یہ تین سال بعد از بیعت ہوگا۔ امام مہدی کا لشکر ان سے مقابلہ کر کے فتح پائے گا۔ صخری کو پکڑ کر لائیں گے۔ مہدی اس کو وادی طور کے بطن میں زیتا کے رستہ پر کینے کے پاس بکری کی طرح ذبح کر ڈالیں گے۔ حدیث میں ہے۔ بدنصیب وہ ہے جو اس دن غنیمت کلب سے محروم رہا۔

۷- امام مہدی کی جنگ روم والوں سے ہوگی۔ یہ ہلاک سفیانی کے بعد ہوگا۔ اہل روم ۹ لاکھ ۶۰ ہزار لشکر کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ آرا ہوں گے۔ اس کے سوا تین لاکھ بحری فوج ہوگی۔ جس میں چالیس ہزار آدمی جمر کے ہوں گے۔ ان کے دل میں مادہ الفت و محبت ڈالا جائے گا۔ بحری فوج دوسری سے لڑے گی اور اس کو شکست دے گی۔ پھر مشرکین فارس کی ایک قوم آئے گی۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ثلث لشکر بھاگ نکلے گا۔ ایک ثلث شہید ہوگا۔ جس کو دس اصحاب بدر کے برابر ثواب

☆ حاشیہ: ۱: احادیث میں حضرت مہدی کا نام محمد بن عبد اللہ ہے اور اس نداء آسمانی میں احمد بن عبد اللہ کہا گیا ہے۔ یہ کچھ منافی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ میرا نام زمین پر محمد ﷺ آسمان پر احمد ہے۔ اس لیے ندائے آسمانی میں محمد ﷺ کی جگہ احمد کہا گیا۔ شاید اس لیے قرآن شریف میں ﴿ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد﴾ فرمایا گیا ہے۔ (یہ آیت بحق نبی ﷺ ہے۔)

ملے گا۔ ثلث جو باقی رہے گا۔ اس میں بھی پھوٹ اور نفاق ہوگا۔ مسلمان روم سے لڑنے کو چلیں گے۔ قسطنطنیہ کا دریا ان کے لیے خشک ہوجائے گا۔ بر یتے میں مسلمانوں کے خیمے ہوں گے۔ مسلمان شب جمعہ کو تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے گھس پڑیں گے۔

اللہ تعالیٰ قسطنطنیہ ایسی قوموں کے ہاتھ پر فتح کرے گا جو اولیاء خدا ہوں گے۔ موت، بیماری دکھ کو ان سے اٹھالے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ یہی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ ہوکر دجال سے لڑیں گے۔ اس حدیث کو سیوطی نے جامع کبیر میں نہایت طول کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علامات جو قرب ظہور مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہیں

۱۔ دریائے فرات کھل جائے گا اس میں سے ایک سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا۔
۲۔ آسمان سے ندا ہوگی: الاأن الحق فی آل محمد لوگوحق آل محمد میں ہے۔"

علامات شناخت مہدی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کرتہ، تیغ اور علم ہوں گے۔ یہ نشان آنحضرت ﷺ کے بعد کبھی نہ نکلا ہوگا۔ اس پر لکھا ہوگا: البیعة للہ "بیعت خدا کے واسطے ہے۔"
۲۔ امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر ایک بادل سایہ کرے گا۔ اس میں سے ایک پکارنے والا پکارے گا: ھذا المھدی خلیفة اللہ فاتبعوا "یہ مہدی خلیفہ خدا ہے۔ اس کا اتباع کرو۔
۳۔ یہ ایک سوکھی شاخ خشک زمین میں لگادیں گے ہری ہو جائے گی۔ اس میں برگ وبار آئے گا۔"
۴۔ خزانہ کعبہ کو نکالیں گے اور تقسیم کر دیں گے۔
۵۔ دریا ان کے لیے یوں پھٹ جائے گا جیسے بنی اسرائیل کے لیے پھٹ گیا تھا۔
۶۔ ان کے پاس تابوت سکینہ ہوگا۔ جسے دیکھ کر یہود ایمان لائیں گے مگر چند۔

امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے اہل بیت نبوی ﷺ سے ہونے کی احادیث

۱۔ "لا تذھب الدنیا ولا تنقضی حتی یملك رجل من اھل بیتی یواطی اسمه (اسمی ابوداؤد والترمذی عن ابن مسعود)"۔
"دنیا ختم نہ ہوگی۔ جب تک میرے اہل بیت سے ایک شخص جس کا نام

میرے نام پر محمد ہوگا، دنیا کا مالک نہ ہوجائے۔''

ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے:

۲- ''یواطی اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی''

''اس کا نام میرے نام پر۔ اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا۔ یعنی محمد بن عبداللہ۔''

۳- ''المهدی من عترتی من ولد فاطمه.''

''مہدی میرے کنبہ میں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہوں گے۔''

(ابوداود، حاکم، ابن ماجہ عن ام سلمہ)

۴- ان کا مولد مدینہ ہے۔ رواه ابو نعیم عن علی کرم الله وجهه

۵- ہجرت گاہ ان کا بیت المقدس ہوگا۔ ابوداود کی حدیث میں ہے۔ بیت المقدس کی کامل آبادی سبب ہے مدینہ کی ویرانی کا۔

۶- حلیہ ان کا یہ ہے: گندم رنگ ،کم گوشت، میانہ قد، کشادہ پیشانی، بلند بینی، کمان ابرو ، دونوں ابرووں میں فرق، بزرگ اور سیاہ چشم، سرگین دیدہ، دانت روشن اور جدا جدا، دہنے رخسار پر تل سیاہ، چہرہ نورانی ایسا روشن جیسا کوکب دری، ریش پرانبوہ، کشادہ ران،۔ عربی رنگ، اسرائیلی بدن، زبان میں لکنت جب بات کرنے میں دیر ہوگی۔ تو ران چپ پر ہاتھ ماریں گے۔ کف دست میں نبی ﷺ کی نشانی ہوگی۔

ناظرین یہ جملہ احادیث جو نواب صدیق حسن مرحوم کی کتاب اقترب الساعۃ سے لی گئی ہیں اور جن کے درج کرنے میں میں نے بہت اختصار کیا ہے۔ ایسی احادیث ہیں، جن کے ایک حرف سے بھی مرزا صاحب کو تطبیق حاصل نہیں۔ اور نہ آج تک انہوں نے ان کی تاویل ہی کر کے ان کے معانی ہم کو سمجھائے ہیں۔

اب آپ مختصر طور پر عیسیٰ بن مریم کے نزول کی احادیث بھی ملاحظہ فرمالیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ اور وہ تم میں نزول فرمائیں گے۔ جب ان کو دیکھو تو اس حلیہ سے پہچان لو۔ قد درمیانہ، رنگ سرخ وسفید، لباس زردی مائل گویا ان کے سر سے باوجود تر نہ کرنے کے پانی ٹپکتا ہوگا، وہ دین اسلام کے لیے لوگوں سے جنگ وقتال کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے۔ خدا ان کے زمانہ میں تمام مذاہب کو محو کردے گا۔ صرف اسلام باقی رہے گا۔ وہ دجال کو ہلاک کریں گے اور زمین پر چالیس سال تک قیام فرمائیں گے۔ پھر وفات پائیں گے، اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ میری امت کی ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور قیامت تک غالب رہے گی۔ پس عیسیٰ بن مریم اتریں گے۔ امیر جماعت کہے گا: آیئے نماز پڑھایئے۔ فرمائیں گے نہیں۔ تم ایک دوسرے کے امام ہو۔ خدا نے اس امت کو یہ بزرگی دی ہے کہ نبی بنی اسرائیل امتی محمدی کے پیچھے اقتدا کرے) مسلم کی یہ حدیث جو بروایت جابر ہے۔ مسلم کی حدیث بروایت ابی ہریرہ کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم وامامکم منکم کی بخوبی تفسیر کرتی ہے کہ وامامکم منکم سے دوسرا امام غیر عیسیٰ ہی مراد ہے نہ کہ حسب قول مرزا صاحب خود عیسیٰ ہی جنہوں نے وامامکم منکم کے معنی بنانے کے لیے وھو امامکم منکم بنالیا ہے۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں شب معراج ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام سے ملا۔ قیامت کے بارہ میں گفتگو ہونے لگی۔ فیصلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد ہوا۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ پر بات ڈالی گئی۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کا تصفیہ رکھا گیا۔ انہوں نے کہا۔ قیامت کے وقت کی خبر تو خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال نکلے گا اور میرے ہاتھ

میں شمشیر برندہ ہوگی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو پگھلنے لگے گا جیسے رانگ پگھل جاتا ہے۔

۴- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے خدائے پاک کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بیشک قریب ہے کہ ابن مریم تم میں حاکم عادل ہوکر اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ کو اٹھادیں گے۔ مال کی کثرت ہوجائے گی۔ اور زر و مال کو کوئی قبول نہ کرے گا یہاں تک تمام دنیا اور دنیا بھر کے مال و متاع سے ایک سجدہ کرنا اچھا معلوم ہوگا۔ ابو ہریرہ کہتے تھے اگر تم (ارشاد نبوی کے ساتھ قرآن سے دلیل چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو:

﴿اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾

ترجمہ! نہیں کوئی اہل کتاب مگر یہ کہ وہ ایمان لائے گا عیسیٰ کے مرنے سے پہلے (سورہ آل عمران) یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے۔

۵- حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال قیام فرمائیں گے۔ اگر وہ پتھریلی زمین سے کہدیں کہ شہد ہوکر بہ جا۔ وہ بہ چلے۔ پہلی حدیث ابوداؤد، دوسری مسلم، تیسری مسند احمد، چوتھی بخاری، پانچویں مسند کی ہے اور یہ احادیث متعدد صحابہ سے مروی ہیں۔ ناظرین ان کتابوں کے نام دیکھ کر ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جملہ دواوین حدیث میں کس قدر احادیث نبوی مندرج ہوں گی۔ خاتمہ المحدثین امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوضیح میں ان احادیث کو متواتر کہا ہے۔

اب خصوصیات زمانہ نزول مسیح کو ملاحظہ فرمایئے:

۱- ان کے زمانہ میں جزیہ نہ لیا جائے گا کیوں کہ مال کی مسلمانوں کو کچھ ضرورت نہ ہوگی۔ آج خود عیسیٰ بننے والے ہی روپیہ کے محتاج خواستگار اور چندہ کے سائل ہیں۔

۲- مسلمان اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا اور اسے زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملے گا۔ سب متمول اور تونگر ہوں گے۔ آج دنیا کی تمام اقوام میں سب سے زیادہ مفلس اور غریب مسلمان ہیں۔ زکوٰۃ نکالنے والوں کی تعداد نہایت قلیل

ہے اور لینے والے ہزاروں۔

۳۔ آپس کی بغض اور عداوتیں جاتی رہیں گی۔ سب میں اتحاد اور محبت قائم ہو جائے گی۔

آج عیسیٰ بننے والے کے ہاتھ پر جنہوں نے بیعت کی ہے، خود ان میں تباغض تحاسد موجود ہے۔ ایک دوسرے کی چار پائی الٹ دیتا ہے۔ گال گلوچ ہوتا ہے۔ مرزا صاحب اور حکیم نورالدین صاحب کو خود اس کا اقرار ہے۔

۴۔ ہر زہریلے جانور کا زہر جاتا رہے گا، وحوش میں سے درندگی نکل جائے گی۔ آدمی کے بچے سانپ بچھو سے کھیلیں گے ان کو کچھ ضرر نہ ہوگا بھیڑیا بکری کے ساتھ چرے گا۔

نقشہ اموات ملاحظہ ہو۔ کہ صرف ملک ہندوستان میں سانپ کے کاٹے، چوحوش کے کھائے ہوئے آدمیوں کی تعداد لاکھوں سے کم نہیں۔ پھر تمام دنیا کی آبادی پر اس سے قیاس کرلو۔

۵۔ زمین صلح سے بھر جائے گی۔ لڑائی مفقود ہو جائے گی۔

اس زمانہ کے سلاطین کی چھوٹی لڑائیاں چھوڑ کر شاہانِ عظام کی جنگی تیاریوں، جنگی فوج کی تعداد کثیر پر نظر ڈالو۔ جو ایک عالمگیر جہاں آشوب جنگ کی مخبر ہے۔

۶۔ زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل پیدا کر اور اپنی برکت کو لوٹا دے۔ اس دن ایک انار کو ایک گھرانہ کھائے گا اور انار کے چھلکے کو بنگلہ سا بنا کر اس کے سایہ میں بیٹھیں گے۔ دودھ میں برکت ہوگی یہاں تک کہ دودھار اونٹنی آدمیوں کے بڑے گروہ کو، دودھار گائے ایک برادری کے لوگوں کو، دودھار بکری ایک جدی شخصوں کو کفایت کرے گی۔

۷۔ گھوڑے سستے بکیں گے۔ کیونکہ لڑائی نہ رہے گی۔ بیل گراں قیمت ہو جائیں گے کیوں کہ تمام زمین کاشت کی جائے گی۔

اس زمانہ کی بے برکتی سب جانتے ہیں، گھوڑوں کا گراں ارز ہونا ظاہر

ہے۔ یہ سب علامات مرزا صاحب کے زمانہ میں ایسے مفقود ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ مرزا صاحب! دعوی مسیحائی کرنا آسان ہے ازالہ اوہام کے برابر موٹی موٹی کتابیں چھپانا آسان ہے۔ مگر ان احادیث کی تاویل کرنا مشکل اور محال۔ اگر آپ کو ایمانی طور پر یقین ہے کہ آپ فی الواقع آنے والے مسیح ہیں تو ان احادیث کی تاویل تو کی ہوتی۔ نہ یہ کہ ازالہ صفحہ ۲۰ پر وعدہ کیا کہ اب ہم وہ احادیث جس سے علماء کو ڈگری ملتی ہے مع ترجمہ کے لکھتے ہیں اور لکھنے کے وقت صحیح بخاری کی چار سطروں کی حدیث بھی پوری پوری نہ لکھی۔

سیرت مسیح

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جامع دمشق میں مسلمانوں کے ساتھ نماز عصر پڑھیں گے۔ پھر اہل دمشق کو ساتھ لے کر طلب دجال میں نہایت سکینہ ومتانت سے چلیں گے۔ زمین ان کے لیے سمٹ جائے گی۔ ان کی نظر قلعوں کے اندر گاؤں کے اندر تک اثر کر جائے گی۔

۲۔ جس کافر کو ان کی سانس کا اثر پہونچے گا وہ فی الفور مر جائے گا۔

۳۔ بیت المقدس کو بند پائیں گے۔ دجال نے اس کا محاصرہ کرلیا ہوگا۔ اس وقت نماز صبح کا وقت ہوگا۔

۴۔ ان کے وقت میں یاجوج ماجوج خروج کریں گے۔ تمام خشکی وتری پر پھیل جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو کوہ طور پر لے جائیں گے۔

۵۔ یہ روضۂ رسول میں نبی ﷺ کے پاس مدفون ہوں گے۔ مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

۶۔ دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔ اس کا خون اپنے نیزہ پر لوگوں کو

دکھلائیں گے۔

مرزا صاحب کے پاس یہ صفات کہاں ہیں؟ سچ ہے دعویٰ کرنا آسان اور ثابت ہونا مشکل۔

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا. قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ.﴾

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين۔

نیاز مند
محمد سلیمان عفی عنہ

☆☆

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	عرض ناشر	۳
۱-	رکوع اول سورۂ آل عمران جو نصاریٰ اور نصاریٰ نما لوگوں کے رد میں اصل الاصول ہے۔	۵
۲-	قصیدۂ حمیدیہ میمیہ	۶
۳-	مقطع کا شعراور منجانب اللہ قبولیت کا ثبوت	۱۲
۴-	وجہ تصنیف	۱۳
۵-	دیباچہ طبع دوم منجانب ناشر کتاب ہذا	۱۴
۶-	قرآن مجید کی وہ تیں آیتیں جن سے مرزا صاحب نے اپنی غلط فہمی سے مسیح ابن مریم کی موت ثابت کی اور ان غلطیوں کا اظہار	۱۵
۷-	آیت (۱) اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ پر بحث	۱۵
۸-	تقدیم وتاخیر الفاظ از امام جلال الدین سیوطی	۱۹
۹-	آیت بالا میں چار فعلوں میں ترتیب	۲۳
۱۰-	اس آیت کا ترجمہ براہین میں مرزا صاحب نے کیا کیا	۲۴
۱۱-	آیت (۲) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ میں مرزا صاحب کا مرادی ترجمہ	۲۴
۱۲-	وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا اور رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کا فرق	۲۶
۱۳-	آیت (۳) فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ	۲۶

۱۴-	لغات عربی سے توفی کے معنی	۲۷
۱۵-	آیت یَتَوَفّاکُمْ بِالَّیْلِ	۲۹
۱۶-	آیت الله یَتَوَفّی الْاَنْفُسَ	۳۰
۱۷-	توفی۔ نفس انسانی مفعول خدا فاعل	۳۰
۱۸-	توفی کے معنی ازالہ ص ۱۰۶ پر	۳۱
۱۹-	ماضی پر حرف اذ کی بحث	۳۱
۲۰-	اذ قال الله کا تعلق زمان مستقبل سے	۳۱
۲۱-	مادمت فیھم کی بلاغت	۳۳
۲۲-	مادمت حَیًّا سے تفاوت	۳۴
۲۳-	آیت (۴) ان من اھل الکتاب	۳۴
۲۴-	لیؤمنن مستقبل کا بصیغہ ماضی غلط ترجمہ	۳۵
۲۵-	قواعد نحو سے مرزا صاحب کی بیزاری	۳۵
۲۶-	علوم آلیہ کے متعلق شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحقیق	۳۵
۲۷-	اذ قال اور لیؤمنن میں مرزا صاحب کی کج مج بیانی	۳۶
۲۸-	ضمیر قبل موتہ کا مرجع	۳۷
۲۹-	ترجمہ آیت از علماء راسخین و ترجمہ مرزا	۳۷
۳۰-	آیت (۵) ما المسیح ابن مریم	۳۸
۳۱-	کان کا ماضی یا حال سے تعلق	۳۹
۳۲-	آیت بالا کا منطوق صحیح	۴۰
۳۳-	عموم و خصوص میں استدلال کا فرق	۴۱
۳۴-	حیات مسیح و مادر مسیح از آیت ان یھلک المسیح ابن مریم وامّہ	۴۱

۳۵-	آیت (۶) وما جعلناهم جسداً اسی اکیلی آیت کو وفات مسیح پر کافی بتلانا	۴۱
۳۶-	اصحاب کہف کا ۳۰۹ سال تک بلا طعام زندہ رہنا	۴۲
۳۷-	نبی ﷺ کی حدیث اور روزہ طے	۴۳
۳۸-	ذکر الٰہی کا بجائے طعام ہونا	۴۳
۳۹-	اہل آسمان کا طعام	۴۳
۴۰-	آیت (۷) ما محمد الا رسول	۴۴
۴۱-	خلت کے لغوی معنی	۴۴
۴۲-	سنة التی قد خلت کا ترجمہ مرزا صاحب نہیں کر سکتے۔	۴۵
۴۳-	ترجمہ میں مرزا صاحب کا تصرف	۴۵
۴۴-	خلو کی لغوی بحث اس کا زمانہ سے متعلق ہونا	۴۶
۴۵-	آیت میں لفظ خلت کے استعمال کی بلاغت قرآنی	۴۶
۴۶-	آیت (۸) وما جعلنا البشر میں استدلال کا صریحاً غلط ہونا	۴۷
۴۷-	آیت (۹) تلك امة قد خلت میں مرزا صاحب کا محض ترجمہ	۴۷
۴۸-	آیت مذکورہ سے اوپر کی آیتوں میں اسم مسیح کا نہ ہونا	۴۸
۴۹-	آیت (۱۰) واوصانی بالصلوة بیان مرزا پُر از سقم و اغلاط ہے۔	۴۸
۵۰-	زکوٰة اور غلاماً زکیا	۴۹
	[illegible]	۵۰

۵۳-	و اذ اخذ الله میثاق	۵۰
۵۴-	موسیٰ و یونسؑ کا تلبیہ۔ موسیٰ کا نماز پڑھنا	۵۱
۵۵-	آیت (۱۱) وسلام علیّ	۵۱
۵۶-	کسی امر خاص کا کسی تقریر میں نہ ہونا	۵۲
۵۷-	سلام علی میں واقعات تصلیب وغیرہ کا نہ ہونا	۵۲
۵۸-	آیت (۱۲)۔ ومنکم من یتوفّی مرزا صاحب کا ثبوت وفات بالفعل سے عاجز ہونا	۵۳
۵۹-	آیت میں کسی حد عمر کا نہ ہونا۔	۵۳
۶۰-	چند معمرین کا ذکر	۵۴
۶۱-	آیت (۱۳)۔ ولکم فی الارض مستقرا	۵۴
۶۲-	ترجمہ میں تصرف مرزا	۵۵
۶۳-	لکم میں تخصیص ہے۔	۵۵
۶۴-	ذریات شیطان کا بجانب آسمان بلند ہونا	۵۶
۶۵-	لفظ مستقر کے معنی صحیح	۵۶
۶۶-	آیت بالا اور معراج نبوی	۵۶
۶۷-	الی حین کا غلط ترجمہ	۵۷
۶۸-	لاشوں کا آسمان پر اٹھایا جا سکنا	۵۷
۶۹-	آیت (۱۴)۔ ومن نعمرہ	۵۷
۷۰-	مرزا صاحب کے پاس وجہ استدلال کا نہ ہونا	۵۷
۷۱-	بعض طویل العمر انبیاء	۵۸
۷۲-	مختلف اجسام پر مختلف اثرات زمانہ	۵۸
۷۳-	حکیم نورالدین نے ایک یوم کو ایک سال تسلیم کیا	۵۸

۷۴-	آسمانی دن کا ایک ہزار سال کے برابر ہونا از قرآن مجید	۵۸
۷۵-	ازالہ ص ۶۹۶ ایک دن کا ہزار سال برابر ہونا	۵۸
۷۶-	آیت (۱۵) خلقکم من ضعف	۵۹
۷۷-	وجہ استدلال بر موت مسیح کا فقدان	۵۹
۷۸-	اس آیت کے عموم سے خود مرزا صاحب اپنی حیات بالفعل نہیں ثابت کر سکتے۔	۵۹
۷۹-	آیت (۱۶)-کماء انزلناہ	۵۹
۸۰-	کاش مرزا صاحب اس آیت ہی سے مستفید ہوتے	۵۹
۸۱-	آیت (۱۷)- ثم انکم بعد ذلك	۶۰
۸۲-	آیت بالا میں موت مسیح کی دلیل کا نہ ہونا	۶۰
۸۳-	حرف ثم کی بحث	۶۰
۸۴-	آیت (۱۸- فسلکہ ینابیع موت مسیح پر وجہ استدلال کا فقدان	۶۰
۸۵-	آیت (۱۹)-لیأ کلون الطعام	۶۱
۸۶-	آیت بالا کی وجہ نزول	۶۱
۸۷-	بازار میں پھرنا، کھانا کھانا، منافی نبوت نہیں تخصیص وتعمیم کی بحث	۶۱
۸۸-	کیا طعام اور مشی لازم حال انبیا ہے	۶۲
۸۹-	آیت۔(۲۰) والذین یدعون	۶۳
۹۰-	آیت کن کن پر حاوی ہے	۶۳
۹۱-	انتم وماتعبدون پر کفار کا جدال	۶۴
۹۲-	اموات غیر احیاء کے معنی	۶۵

۹۳-	بت اور آیت بالا	٦٥
۹۴-	آیت (۲۱) ماکان محمد ابا احد	٦٦
۹۵-	ختم نبوت اور انبیاء ماقبل کا اتباع	٦٧
۹٦-	لتؤمننّ به ولتنصرنه	٦٧
۹۷-	مسیح امت محمدیہ میں ہے ازالہ ص ٦۲۳	٦٧
۹۸-	مرزا اور دعویٰ نبوت	٦۸
۹۹-	مسیح کا فنا فی الرسول ہونا	٦۸
۱۰۰-	حدیث انا اولی الناس بعیسیٰ	٦۸
۱۰۱-	مسلّمات مرزا۔ اور آیت بالا سے تمسک کا غلط ہونا	٦۹
۱۰۲	مسیح صحابی رسول ہیں۔	٦۹
۱۰۳	آیت (۲۲)۔ فاسئلوا اهل الذكر	٦۹
۱۰۴-	ایلیا کا جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ جانا۔ (حاشیہ)	۷۰
۱۰۵-	اہل کتاب سے پوچھنے کی ضرورت کب ہے	۷۰
۱۰٦-	مسئلہ نزول مسیح اہل کتاب سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔	۷۰
۱۰۷-	نبی ﷺ کے بتائے ہوئے نشانات وعلامات کا بیان	۷۰
۱۰۸-	مسیح نے اپنی آمد کے متعلق خود علامات کا بیان فرمایا (ازمتی ویوحنا۔ مرقس)	۷۰
۱۰۹-	ان علامات کے بغیر ''میں مسیح ہوں'' کہنے والے جھوٹے ہوں گے	۷۰
۱۱۰-	موجودہ زمانہ کی تاریخی حالت	۷۰
۱۱۱-	مسیح کا کہنا کہ جاتا ہوں اور پھر آتا ہوں	۷۰
۱۱۲-	نزول ایلیا	۷۰

۱۱۳-	مسیح وایلیا بقول انجیل	۷۰
۱۱۴-	مسیح وایلیا بقول انجیل	۷۱
۱۱۵-	اس استدلال میں مرزا جی کی غلطیاں	۷۲
۱۱۶-	آیت (۲۳)۔ یا ایتها النفس المطمئنة	۷۹
۱۱۷-	دلیل مرزا کا صغریٰ و کبریٰ غلط ہے	۸۰
۱۱۸-	دخل بگروہ انبیاء	۸۰
۱۱۹-	آیت انی متوفیك اور آیت یا ایتها النفس کا فرق	۸۰
۱۲۰-	آیت (۲۴)۔ خلقکم ثم رزقکم	۸۰
۱۲۱-	ثم اور ترتیب وتراخی	۸۱
۱۲۲-	خلقکم۔ رزقکم کا ماضی اور یمیتکم یحییکم کا مضارع ہونا	۸۱
۱۲۳-	آیت (۲۵) کل من علیها فان	۸۱
۱۲۴-	فان ویفنی کا فرق	۸۱
۱۲۵-	لفظ فان کسی کی موت بالفعل پر دلیل نہیں۔	۸۲
۱۲۶-	اجسام پر تغیرات زمانہ	۸۲
۱۲۷-	آیت (۲۶)۔ ان المتقین فی جنت ونهر	۸۳
۱۲۸-	مرزا صاحب کے ترجمہ اور وجہ استدلال کی غلطیاں	۸۳
۱۲۹-	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سیر جنت فرمانا	۸۴
۱۳۰-	آیت (۲۷)۔ سبقت لهم منا الحسنی وجہ استدلال کا تقریر مرزا میں فقدان	۸۵
۱۳۱-	آیت (۲۹)۔ ما اتکم الرسول فخذوه	۸۵
۱۳۲-	امام حسن کی روایت ان عیسیٰ لم یمت	۸۵

۱۳۳-	مراسیل حسن بصریؒ	۸۶
۱۳۴-	حدیث ابوداؤد لیس بینی وبین عیسیٰ	۸۶
۱۳۵-	حدیث احمد وابن ماجہ، شب معراج میں مسیح کا اپنی نزول کی بابت کہنا	۸۶
۱۳۶-	حدیث ترمذی اعمار امتی سے استدلال مرزا	۸۷
۱۳۷-	احادیث نزول مسیح کے لیے غائت المرام کا ملاحظہ ضروری ہے (حاشیہ)۔	۸۷
۱۳۸-	حدیث مسلم ما علی الارض من نفس کے صحیح معنی۔ مرزا صاحب کی جرأت تحریف	۸۸
۱۳۹-	آیت (۳۰)۔ او ترقی فی السماء	۸۸
۱۴۰-	آخری آیت میں مرزا صاحب کی تمام تر چالاکیاں	۸۹
۱۴۱-	مرزا صاحب نے الفاظ قرآن مجید میں تحریف کی	۸۹
۱۴۲-	آیت بالا کا صحیح اندراج اور اس کی آیات کا پورا ترجمہ	۸۹
۱۴۳-	آیت بالا میں کفار کی سفلی درخواستیں	۹۰
۱۴۴-	آیت بالا میں عادت اللہ کے خلاف کفار کی درخواستیں	۹۰
۱۴۵-	آیت بالا میں ایک ہی درخواست قابلِ منظوری تھی	۹۱
۱۴۶-	کفار کا اسی درخواست سے انکار مرزا کا اُسی درخواست کو چھپانا	۹۱
۱۴۷-	کفار کی آخری مستہزیانہ شوخی	۹۱
۱۴۸-	صدق باری تعالیٰ یا صدق مرزا	۹۲
۱۴۹-	مرزا صاحب کی پیش کردہ آیات پر تبصرہ	۹۲

۱۵۰- آیات ۸-۱۲-۱۴-۱۵-۱۶-۱۷- ۱۸-۲۴- ۲۵- ۲۸ سے کسی ایک کی موت بھی ثابت نہیں ہوتی ۹۲
۱۵۱- اگر آیات بالا مثبت وفات بالفعل ہیں تو مرزا صاحب اپنی حیات ہی کا ثبوت دیں۔ ۹۳
۱۵۲- آیات ۵،۶ کو ملا کر مرزا صاحب نے ایک قضیہ بنایا۔ ۹۳
۱۵۳- آیات ۱۲- ۱۵-۲۴ کا ہم مضمون ہونا ۹۳
۱۵۴- آیات ۱۶- ۱۸ کا واحد مضمون ہونا ۹۳
۱۵۵- آیات ۲۶- ۲۷ کا ہم مضمون ہونا ۹۳
۱۵۶- آیات ۲۲ و ۲۹ کا کسی کی وفات سے غیر متعلق ہونا ۹۳
۱۵۷- آیات ۱-۲-۳-۴-۱۰ میں مسیح کا ذکر اور ان کا مفہوم ۹۳
۱۵۸- توفی کے معنی صرف قبض روح دکھلانے پر انعام ایک ہزار روپیہ ۹۴
۱۵۹- رفع کے معنی ۹۴
۱۶۰- حدیث میں رفعه الله الی کے معنی۔ مادّی جسم کا اٹھایا جانا ۹۵
۱۶۱- معراج جسمانی اور لفظ مسرای ۹۶
۱۶۲- معراج جسمانی کی وجہ سے کفار کا انکار ۹۶
۱۶۳- مرزا صاحب کا قرآن کو دہقانی الفاظ کہنا ۹۸
۱۶۴- مرزا صاحب کا ترجمہ۔ اور ضمائر تک کی غلطیاں ۹۸
۱۶۵- مضمون مسیح موعود ۹۹
۱۶۶- الآیات بعد المائتین سے تیرہویں صدی مراد لینا۔ اور اس کی غلطیاں ۹۹
۱۶۷- حدیث بالا کا تیسری صدی سے متعلق ہونا ۹۹

۱۶۸- مرزا صاحب نے امت کے اجماع کو کورانہ بتلایا ۱۰۰
۱۶۹- مسیح موعود ہونے پر دلیل مکاشفات کو بتلایا گیا ہے ۱۰۲
۱۷۰- حدیث کی موجودگی میں کسی شخص کا مکاشفہ دلیل نہیں ہوتا ۱۰۲
۱۷۱- جن اکابر اولیا کا مکاشفہ بتلایا ہے ان کا نام تک ندارد ہے ۱۰۲
۱۷۲- نقل عبارات میں مرزا صاحب کی عدم دیانت ۱۰۲
۱۷۳- محض دعوی کو دلیل بنایا ۱۰۳
۱۷۴- پہلی اور دوسری دلیل کا ایک ہونا ۱۰۳
۱۷۵- تیسری دلیل علامات اور ان کی ترتیب میں عدم لزوم ۱۰۳
۱۷۶- خر دجال کو ریل۔ یاجوج ماجوج کو روس وانگریز۔ دابة الارض کو پادری کہنے کی لغویت ۱۰۳
۱۷۷- چوتھی دلیل مسیح و موسیٰ علیہم السلام کا درمیانی عرصہ ۱۰۴
۱۷۸- مسیح و موسیٰ کا درمیانی فاصلہ ۱۶۰۰ ہے، نہ کہ ۱۴۰۰ ۱۰۵
۱۷۹- موسیٰ و نبینا علیہ ﷺ میں ۲۲ صدیوں کا فاصلہ ۱۰۵
۱۸۰- مرزا صاحب کی منہ مانی غلطی ۱۰۶
۱۸۱- چھٹی دلیل۔ فرشتوں کے پروں پر ہاتھوں کا رکھے ہونا ۱۰۶
۱۸۲- الفاظ حدیث جن کا ترجمہ غلط کیا ۱۰۶
۱۸۳- حدیث مسلم کے متعلق مرزا صاحب کا دو رویہ عمل، کبھی انکار کبھی استشہاد ۱۰۷
۱۸۴- مرزا صاحب کے استاد ۱۰۷
۱۸۵- منصب علمنی ربی کا ادعا ۱۰۷

۱۸۶- مرزا صاحب کی آمدنی کے ابواب اور چندہ کی درخواستیں۔ عدم توکل ۱۰۷
۱۸۷- ساتویں دلیل دم سے کافر کا مرنا ذاتی صفت موصوف سے الگ نہیں ہوتی ۱۰۸
۱۸۸- آٹھویں دلیل مسیح کا عقائد کی غلطیاں نکالنا ۱۰۸
۱۸۹- موت مسیح اور لوگوں کی سمجھ ۱۰۹
۱۹۰- مرزا صاحب سے دس دس لوگوں کے نام بتلانے کی استدعا ۱۰۹
۱۹۱- مولوی رحمت اللہ مہاجر اور عیسائی اور ضرورت نبوت محمدیہ ۱۰۹
۱۹۱- مرزا صاحب اور تائید یہود ۱۱۰
۱۹۲- مسیح کا قبر نبوی کھود کر دفن کیا جانا ۱۱۱
۱۹۳- مسلمانوں پر مرزا جی کا افتراء ۱۱۱
۱۹۴- مقبرہ نبوی میں تدفین مسیح ۱۱۱
۱۹۵- مقبرہ کے اندر اب تک ایک قبر کی جگہ کا خالی ہونا ۱۱۲
۱۹۶- مرزا جی کا دعویٰ کہ فرشتہ نے ان کو جگہ روضہ رسول کے اندر دکھلائی جہاں ان کی قبر ہوگی۔ ۱۱۲
۱۹۷- مرزا جی نے رسول کی ہڈیوں کا لفظ لکھا ۱۱۲
۱۹۸- نویں دلیل مسیح کا نبی اللہ ہونا۔ عاجز مرزا جی کا اس نعمت کو پانا۔ ۱۱۲
۱۹۹- غلام احمد قادیانی ۱۱۳
۲۰۰- آیت خاتم النبیین اور نبوت ۱۱۳
۲۰۱- عیسیٰ علیہ السلام پر نزول ثانی میں وحی کا نمونہ ۱۱۴

۲۰۲- مرزا اور اپنی تصنیفات کا درجہ	۱۱۴
۲۰۳- دسویں دلیل مکاشفات عبد اللہ غزنوی	۱۱۵
۲۰۴- مکاشفہ اعتباری شے نہیں	۱۱۵
۲۰۵- کشف غزنوی اور حدیث رسول	۱۱۶
۲۰۶- راوی کا کشف غیر معتبر ہے	۱۱۶
۲۰۷- مکرر اس راوی کا مرزا جی سے انکار	۱۱۶
۲۰۸- الفاظ کشف کی مرزا پر عدم مطابقت	۱۱۶
۲۹- خود الفاظ کشف میں بطلان کی شہادت	۱۱۶
۲۱۰- گیارہویں دلیل ایک مجذوب کا کشف	۱۱۶
۲۱۱- کشف مذکور کا لغو ہونا	۱۱۶
۲۱۲- کشف اور مخالفت احادیث	۱۱۷
۲۱۳- کریم بخش راوی کے دو بیان ہر دو بیانات میں اختلاف	۱۱۷
۲۱۴- مرزا صاحب نے رسالہ نشانِ آسمانی اور ازالہ میں دو متضاد بیانات کریم بخش کے شائع کیے	۱۱۷
۲۱۵- کریم بخش اور سیدنا نواس بن سمعان صحابی رضی اللہ عنہ	۱۱۷
۲۱۶- کشف مجذوب مجہول الحال کا باطل ہونا۔	۱۱۸
۲۱۷- حقائق بیان کردہ مرزا جی کا فہم رسول سے برتر، مگر فہم مجذوب سے کمتر ہونا	۱۱۸
۲۱۸- تاویلات مرزا کی حقیقت	۱۱۸
۲۱۹- کشف مجذوب کیوں خلاف عقل ہے	۱۱۸
۲۲۰- یہ کشف کیوں خلاف شرع ہے	۱۱۹
۲۲۱- نبی کریم کا قسمیہ کلام اور مجذوب کی بڑ	۱۲۰
۲۲۲- بارہویں دلیل مرزا	۱۲۱

۲۲۳- آیت انا علی ذھاب بہ کے اعداد ۱۲۱
۲۲۴- اعداد حروف کا ثبوت شرعی کچھ نہیں ۱۲۲
۲۲۵- قرآن سے اعداد جمل نکالنا ۱۲۲
۲۲۶- آیت اطیعو اللہ الخ کے اعداد اور عالمگیر بادشاہ ۱۲۲
۲۲۷- سورۂ اخلاص کے اعداد اور تفسیر فیضی ۱۲۳
۲۲۸- الصّلح خیر ۔ اور صلح شاہ ایران و ہند ۱۲۳
۲۲۹- غلبت الروم اور فتح تیمور ۱۲۳
۲۳۰- روح وریحان اور فوت عالمگیر ۱۲۳
۲۳۱- مرزا صاحب کا کشف الفاظ غلام احمد قادیانی پر ۱۲۴
۲۳۲- الفاظ بالا مدح وذم پر دال نہیں ۱۲۴
۲۳۳- مولوی سید نذیر حسین دہلوی اور مرزا کے ساتھ سنہ مناظرہ ۱۲۴
۲۳۴- سید محمد نذیر حسین دہلوی کے الفاظ سے سنہ مناظرہ ۱۲۴
۲۳۵- قرآن کا ۱۲۷۴ھ میں زمین سے اٹھایا جانا مرزا کا پھر اُسے زمین پر لانا ۱۲۵
۲۳۶- ذھاب بہ کی ضمیر کا مرجع ۱۲۵
۲۳۷- پوری آیت ۔ مرجع بہ قرآن مجید نہیں بلکہ پانی ہے۔ ۱۲۵
۲۳۸- مرزا جی کا قابل اعتراض طریق استدلال کہ قرآن کا اٹھایا جانا قرآن سے بتایا اور واپس لانا ایک روایت سے۔ ۱۲۶
۲۳۹- مرزا جی فارسی النسل نہیں سمرقندی ہیں ۱۲۶
۲۴۰- سمرقندی نہیں مغل ہیں ۱۲۶

۲۴۱-	حدیث ابوداؤد میں مغل ہلاک کنندہ امت بتائے گئے ہیں	۱۲۷
۲۴۲-	حدیث لو کان الایمان کا غلط ترجمہ	۱۲۷
۲۴۳-	سلمان پارسی رضی اللہ عنہ	۱۲۷
۲۴۴-	حجج الکرامہ اور علامت نزول مسیح	۱۲۸
۲۴۵-	بروایت صحیحین عہد مسیح میں کثرت مال ضروری ہے۔ مرزاجی خود چندہ کے طالب	۱۲۹
۲۴۶-	عہد مسیح میں رغبت عبادت کا سب اشیاء پر غالب آنا۔ اور عہد مرزاجی میں کثرت فسق وفجور	۱۲۹
۲۴۷-	عہد مسیح میں تباغض وتحاسد نہ ہونا۔ خود مرزائیوں کے اندر اِن عیوب کا ''رسالہ شہادت القرآن'' سے ثبوت معہ شہادت حکیم نورالدین صاحب	۱۳۰
۲۴۸-	درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے	۱۳۱
۲۴۹-	ازالہ میں شناخت مسیح صادق	۱۳۱
۲۵۰-	ابن صیاد اور دجال معہود	۱۳۱
۲۵۱-	مرزاجی کا اقرار کہ ممکن بالکل ممکن ہے کہ کوئی اور مسیح ظاہری جلال واقبال کے ساتھ آئے۔	۱۳۱
۲۵۲-	حکیم نور الدین کی شہادت اصل مسیح کے سامنے مرزائیوں کا عذر کیا ہوگا	۱۳۲
۲۵۳-	مرزاجی کے مسیح موعود نہ ہونے پر مسیح علیہ السلام کی	۱۳۲

۲۵۶-	شعر نعمت اللہ ولی سے مرزا جی کا مسیح نہ ہونا	۱۳۴
۲۵۷-	مرزا جی کے مسیح نہ ہونے پر آٹھویں علامت	۱۳۵
۲۵۸-	نویں دلیل مرزا جی کے مسیح نہ ہونے پر حدیث جابر رضی اللہ عنہ	۱۳۵
۲۵۹-	لا مھدی الا عیسیٰ کا وضعی ہونا	۱۳۶
۲۶۰-	دسویں دلیل حدیث ابن الجوزی مرزا جی کے مسیح نہ ہونے پر	۱۳۶
۲۶۱-	گیارہویں دلیل مرزا کے مسیح موعود نہ ہونے پر	۱۳۶
۲۶۲-	مصنف کی پیشین گوئی کہ مرزا جی کو حج کعبہ نصیب نہ ہوگا۔	۱۳۶
۲۶۳-	قریب تر بامن	۱۳۷
۲۶۴-	خطرہ سے کوئی معصوم ومحفوظ نہیں ہوسکتا	۱۳۷
۲۶۵-	حسن ظن کی حدود	۱۳۷
۲۶۶-	تفسیر ابو ہریرہ وحیات مسیح	۱۳۹
۲۶۷-	ائمہ حدیث وحیات مسیح	۱۳۹
۲۶۸-	انی متوفیك	۱۳۹
۲۶۹-	انه لعلم للساعة کی تفسیر	۱۳۹
۲۷۰-	تفسیر ابن حریر وتفسیر ان من اهل الکتاب	۱۴۰
۲۷۱-	کعب وحسن۔ مجاہد نزول وحیات مسیح	۱۴۰
۲۷۲-	تفاسیر	۱۴۰
۲۷۳-	داعی الی الله کون ہے	۱۴۱
۲۷۴-	پیشین گوئی اور وساوس	۱۴۲
[illegible]	[illegible]	۱۴۲

۲۷۶-	مرزا جی اور عبدہ ورسولہ کا دعویٰ	۱۴۳
۲۷۷-	حسن ظن کی حد	۱۴۳
۲۷۸-	جدید فرقے	۱۴۳
۲۷۹-	دافع الوساوس اور اقتداری کن	۱۴۴
۲۸۰-	قیامت اور ۷ ہزار برس	۱۴۶
۲۸۱-	نصوص قطعیہ کا انکار	۱۴۶
۲۸۲-	مضمون الہام ومکاشفہ	۱۴۷
۲۸۳-	الہام ربانی وشیطانی بقول مرزا	۱۴۸
۲۸۴-	قاضی ثناء اللہ اور الہام	۱۴۸
۲۸۵-	الہام اور ابوسلیمان دارانیؒ	۱۴۸
۲۸۶-	الہام اور پیران پیرؒ	۱۴۸
۲۸۷-	الہام اور خواجہ معصوم قدس اللہ سرہٗ	۱۴۹
۲۸۸-	کشف	۱۴۹
۲۸۹-	خواب انبیاء	۱۴۹
۲۹۰-	اقرار مرزا کہ کشف میں احتمال خطا ہے	۱۵۰
۲۹۱-	مرزا جی انبیاء کے الہامات ومکاشفات کو بھی صحیح نہیں سمجھتے	۱۵۰
۲۹۲-	مرزا جی کا بیان کہ چار سو نبیوں کی متفقہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی	۱۵۰
۲۹۳-	مرزا جی نے توراۃ کا مضمون بالکل بدل دیا	۱۵۱
۲۹۴-	توراۃ کا اصل بیان۔ کہ وہ چار سو شخص بت پرست اور بعل کے پجاری تھے اور حضرت ایلیاہ علیہ السلام اس زمانہ میں واحد نبی تھے	۱۵۱

۲۹۵- سب بت پرستوں کا ایلیاہ نبی کے سامنے ذلیل وخوار ہونا۔یتیم و بیوہ کے ظلم کا انجام ۱۵۱
۲۹۶- مرزاجی نے بت پرستوں کو نبی بنایا اور پھر ان پر عاجزی کے ساتھ اپنے تفوق کا ذکر کیا ۱۵۱
۲۹۷- قول مرزا کہ مسیح کا مکاشفہ بہت صاف نہ تھا ۱۵۲
۲۹۸- قول مرزا کہ کچھ تعجب نہیں کہ نبی ﷺ پر ابن مریم، دجال وغیرہ کی اصل حقیقت نہ کھلی ہو ۱۵۳
۲۹۹- مرزاجی نے محدث کا درجہ سب سے بلند بتلایا کیوں کہ خود کو محدث کہا ہے ۱۵۴
۳۰۰- امت محمدیہ میں صرف عمر فاروق محدّث تھے۔ ۱۵۴
۳۰۱- کتاب الفرقان لابن تیمیہ کی ایک فصل کی نقل ۱۵۵
۳۰۲- ولی و نبی میں فرق ۱۵۶
۳۰۳- محدثیت عمر رضی اللہ عنہ ۱۵۶
۳۰۴- رجوع عمرؓ ۱۵۸
۳۰۵- نبی ﷺ نے اپنے خواب سے تعین مدت نہیں فرمائی تھی ۱۵۸
۳۰۶- مرزاجی کی مقرر کردہ صفاتِ محدثیت عمر فاروق میں بھی نہیں پائی جاتی ۱۶۰
۳۰۷- عمرؓ اور خلافت سے انکار ۱۶۱
۳۰۸- صدیق و بوتراب رضی اللہ عنہ ۱۶۲
۳۰۹- دعاوی مرزا مبنی بر الہام خود ہیں ۱۶۲
۳۱۰- اپنے الہام کے اور فہم کے امکانی غلط ہونے پر اقرار مرزا ۱۶۲

۳۱۱- مسئلہ دریافت طلب از مرزاجی کہ جب ایک ہی شخص کے دو الہام ہوں۔ ایک مطابق جمہور ایک مخالف جمہور تب ترجیح کس کو ہے ۱۶۳
۳۱۲- مضمون امام محمد بن عبداللہ المہدی منقول از اقتراب الساعۃ ۱۶۴
۳۱۳- علامات مسیح ۱۶۹
۳۱۴- خصوصیات زمانہ مسیح ۱۷۲
۳۱۵- سیرت مسیح ۱۷۴
۳۱۶- دعاء ۱۷۵